المدنیۃ والاسلام

تصنیف محمد فرید وجدی علّامہ مصر

مترجمہ

مولانا مولوی رشید احمد صاحب انصاری مرحوم ایم اے (فرسٹ کلاس)
پرشین لنگویج لٹریچر، آنرز ان عربک لنگویج لٹریچر
اینڈ لا، مترجم تحریر المراۃ - رسالہ التوحید - الفوز
الکبیر وغیرہ سابق پروفیسر عربی و فارسی مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

باہتمام فضل حسین
صرف ایک کاپی ٹائٹل پیج کی
ہلالی پریس دہلی میں چھپی

 چوتھا اڈیشن قیمت ۱۲/

فہرست مضامین

دیباچہ

رقمزدہ عالیجناب نواب محسن الملک بہادر مرحوم

جب سے اہل مصر کو اپنے خیالات کے اظہار میں روک ٹوک باقی نہیں رہی اور مطبع کو آزادی حاصل ہوئی ہے اور مذہبی اور تمدنی مسائل کی نسبت آزادانہ تحریر و تقریر کرنے میں محتسب کے دُرّوں اور طوق و سلاسل میں جکڑے جانے کا خوف نہیں رہا، ہم دیکھتے ہیں کہ مصر کے مسلمان تقلید کی تاریکی سے نکل رہے ہیں اور عالمانہ اور حکیمانہ تحقیق کی روشنی اُنمیں پھیلتی جاتی ہے۔ اور ایسے عالی دماغ اور روشن خیال محقق مسلمان پیدا ہو گئے ہیں جن کی تالیفات اور تصنیفات سے وہ پردے جو اسلام پر پڑے ہوئے تھے اُٹھتے جاتے ہیں اور اُسکا اصلی نورانی چہرہ نظر آنے لگا ہے مفتی محمد عبدہ جیسا حکیم اپنی حکیمانہ اور محققانہ تحریر و تقریر سے اسلام کو زندہ کر رہا ہے، سید محمد رشید آفندی صاحب المنار فلسفیانہ اور عالمانہ مضامین لکھکر اسلام اور فطرۃ، دین اور عقل کے اتحاد کو ثابت کر رہا ہے، اور یورپ کے مورخوں اور مصنفوں نے نادانی یا تعصب سے اسلام کے پاکیزہ مسائل کو بدنما شکل میں دکھلایا تھا اُن کی غلطیاں اب دنیا پر کھولتے جاتے ہیں۔ ان جدید تصنیفات میں ایک کتاب رسالۃ التوحید ہے جو حکیم الامۃ شیخ محمد عبدہ مفتی مصر کی تصنیف ہے اور جسکا اُردو ترجمہ ہم شائع کر چکے ہیں، جو کئی بار چھپ چکا ہے اور کمیٹی دینیات مدرسۃ العلوم نے اسکو پسند کر کے اسکول کے مذہبی نصاب میں داخل کیا ہے ان میں دوسری کتاب المدینۃ والاسلام ہے جو محمد فرید آفندی وجدی کی نہایت قابل قدر تصنیف ہے اور جسکو سید محمد رشید آفندی نے جدید اسلامی تصانیف میں رسالۃ التوحید سے دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔

اس قسم کے عالمانہ اور محققانہ مضامین کو دیکھکر میں نے چاہا کہ ہمارے ہندوستانی

مسلمان بھائی بھی ان سے محروم نہ رہیں اور شرک و بدعت اور تقلید اور اوہام کے پردے جو ان کی
چشم بصیرت پر پڑے ہیں وہ دور ہوں اور وہ اسلام کی اصلی حقیقت سے واقف ہوں، اور دیکھیں کہ
خود ان کے علما اور پیشوا کیا کہتے ہیں اور اسلام کی حقیقت کیا بتاتے ہیں۔ اسلئے میں نے اپنے
معزز دوست مولوی رشید احمد صاحب سے جو مولوی فاضل ہیں خواہش کی کہ وہ
اس بے نظیر اور قابل قدر کتاب کا اُردو میں ترجمہ کر دیں۔ مولوی صاحب موصوف ایک نہایت
لایق اور ذی علم آدمی ہیں۔ ان کو عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی ایسی خداداد مہارت
حاصل ہے کہ اکثر ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اُردو کی ایک مستقل تصنیف معلوم ہوتی
ہے۔ زبان ان کی نہایت شستہ، عبارت بالکل سلیس ترجمہ نہایت صحیح اور بامحاورہ
ہوتا ہے۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے المدنیۃ والاسلام کا بھی اُردو
میں ترجمہ کر دیا ہے اور مولوی سعید احمد صاحب نے اُسکو مطبع احمدی میں طبع
کیا ہے۔ مجھکو امید ہے کہ اس ترجمہ سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچیگا۔ اور جو
مسلمان عربی نہیں جانتے اُن کو معلوم ہوگا کہ اصلی اسلام کیا ہے۔ اور جو طالب علم
اپنے مذہب سے بے خبر ہیں اور انگریزی تعلیم ان کے دلوں میں لمحدانہ اور لاادریانہ شکوک
پیدا کر رہی ہے، یہ کتاب ان کے دلوں سے ان تمام شبہات کو دور کر دے گی۔
اور اسلام کی روشنی سے ان کے دل منور ہو جاوینگے۔

مجھے یقین ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا مسلمانوں پر یہ آخری احسان نہوگا،
بلکہ وہ اس قسم کی اور بھی مفید کتابوں اور رسالوں کا ترجمہ کرکے اسلام اور مسلمانوں کی
عمدہ خدمت انجام دینگے۔ اور ہمیشہ کے لئے بطور باقیات الصالحات کے اپنی یادگار
چھوڑینگے۔

محسن الملک

۱۱؍ اگست ۱۹۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الانسان

انسان کیا ہی؟ اگر انسان سے مراد یہی مادی جسم ہی جس میں تحلیل و ترکیب اور فنا و تجدید کا سلسلہ جاری رہتا ہی اور جو بتدریج نشو و نما پاتا اور قوی ہوتا ہی اور پھر اپنے انتہائے قوت پر پہونچنے کے بعد رفتہ رفتہ اُس میں ضعف و انحطاط شروع ہوتا ہی اور اُسپر بڑہاپا مسلط ہو جاتا ہی، جو آخر کار اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہی اور اُس کے بعد وہ زمین میں دفن ہوتا اور مٹی میں ملجاتا ہی؟ اگر اسی کا نام انسان ہی تو وہ ایک معمولی اور ادنی درجے کے حیوان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس کی نسبت شیر بلحاظ اپنی قوت و صولت کے اور ہاتھی باعتبار اپنے ڈیل ڈول کے اور بندر بلحاظ اپنی پھرتی اور چستی کے بدرجہا افضل ہی، اور نیز وہ اس اہمیت کا ہرگز مستحق نہیں ہی جو اُسکو عالم کائنات میں پیشتر حاصل تھی یا اب حاصل ہی۔ اگر ہر چیز کی ظاہری حالت کو اُسکے باطن کا عنوان قرار دیا جاوے تو انسان کی حالت کائنات کے بیشمار طبعی موثرات کے درمیان مثل اُس پر کے ہوتی ہی جو

تیز اور تند آندہیوں کی لہروں میں چاروں طرف مارتا پہرتا ہی اور جس کی وہی بدترین نفیت ہوتی ہی جو زبردست دشمنوں کے مقابلے میں کمزور ہوسکتی ہی۔

نہایت قدیم زمانے میں جو انسان کی حالت تہی اسپر غور کرو اور نیز موجودہ حالت کے ساتھ اُسکا مقابلہ کرو تمکو ایک نہایت عجیب اور حیرت انگیز بہید معلوم ہوگا جس کے دریافت کے معاملے میں بڑے بڑے عقلا ہیچمدانی کا اقرار کرتے ہیں۔

تمکو معلوم ہوگا کہ ایک کمزور مخلوق، برہنہ جسم، تارک بدن اور ضعیف الاعضا جسکے پاس اپنی حفاظت کے لیے کوئی ہتیار موجود نہیں ہی تنہا اور بے یار و مددگار زندگی کے جدال و قتال میں مبتلا کیا گیا ہی۔ وہ بلند اور سر فلک پہاڑوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہی اور اُن کی بلندی اور عظمت کا خیال کرکے اپنے دل میں ڈرتا ہی وہ سنسان بیابانوں، عمیق غاروں اور گھنے جنگلوں اور بنوں کو دیکھتا اور شیروں اور درندوں کی ہولناک آوازیں سنتا ہی اور اسپر سخت ہیبت طاری ہوتی ہی۔ نیلگوں آسمان اور درخشاں ستاروں کی چمک دمک اسکی آنکھوں میں خیرگی پیدا کرتی ہی وہ اُس کی وسعت اور رفعت کو دیکھکر محو حیرت ہوجاتا ہے۔ اُن وحشتوں اور دہشتوں کے علاوہ گرمی سردی کے مصائب اور بہوک پیاس کی تکالیف اُس کے ایسے اٹل دشمن ہیں جنسے کسیوقت بھی اُسکو نجات حاصل نہیں ہوسکتی یہ حالت اُسوقت بھی جبکہ وہ ابتداً دنیا میں آیا تھا اب اُس کی کیا حالت ہے ؟ اسوقت تمکو معلوم ہوگا کہ اس کمزور مخلوق نے نہایت دلیری اور صبر و استقلال کے ساتھ تمام عوارض طبعی کا مقابلہ کیا ہے اور اُنکو مغلوب مقہور کرلیا ہے۔ یہ حیرت انگیز کامیابی اُس کو ایسی قوتوں کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہی جن کو اُس کے دست و بازو سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ اُسنے صرف عوارض طبعی کے مغلوب کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُن کو مسخر کرکے اپنے ضروریات زندگی میں ان سے خدمت لی ہی جیسا کہ فتحمند بادشاہ جنگ کے قیدیوں سے خدمتیں لیا کرتے ہیں دیکھو اُس

کمزور جاندار نے باوجود نازک بدن اور ضعیف الاعضا ہونیکے ایسی قوّت اور صلابت کا اظہار کیا ہی جو پہاڑوں میں نقب لگاتی اور ٹھوس پتھروں اور سخت چٹانوں کو پیس ڈالتی اور فولاد کو پگھلاتی اور پانی کرکے بہا دیتی ہی۔

کیا اس عملی تدبر اور تفکر کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہی کہ انسان صرف اس مادی جسم کا نام ہی؟ ہرگز نہیں بلکہ لامحالہ ہر شخص کو اس امر کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس مادی جسم کے غلاف میں ایک ایسا جوہر مخفی ہی جسکی ماہیت اگرچہ ہمکو معلوم نہیں ہی مگر اس کے آثار نہایت وضاحت کے ساتھ اُسکے موجود ہونے کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہی جوہر انسانیت کا مصداق ہی اور اسی سے انسان کو دیگر حیوانات سے امتیاز اور خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایسی بدیہی بات ہی جسکے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں معلوم مگر دیکھنا یہ ہی کہ یہ عجیب و غریب جوہر کیا چیز ہی جسکی وجہ سے اس مادی جسم کو ایسی رفعت اور برتری حاصل ہوئی ہے کہ وہ تمام زمینی مخلوقات کا مالک بنگیا ہی اور جس طرح چاہتا ہے اُن میں تصرّف کرتا ہے۔

اگرچہ یہ انسانیت کا مصداق منجملہ ان چیزوں کے ہوتا جو عالم محسوسات سے باہر اور جو اس کی حد اور اختیارات سے خارج نہیں ہیں تو اُس کی ماہیت میں نہایت تحقیق کے ساتھ غور اور فکر کرنا بالکل آسان ہوتا یا اگر وہ حیوانیت کے مصداق کی طبیعت رکھتا جسکے غایات محدود اور جسکے انفعالات معلوم ہیں تو اُسکے مخفی اسرار کے دریافت کرنے میں ہوتی ہی۔ مگر یہاں حالت اسکے بالکل برعکس ہی۔ اگر انسان کی حالت کو بنظر غور و امعان مطالعہ کیا جاے تو معلوم ہوتا ہی کہ اُس میں ایسی متناقض باتیں جمع ہیں جن کی وجہ سے محقق طور پر اُس کی خصوصیات کی تحدید کرنا یا اُس کے آثار کو کسی اصول کلیہ کے تحت میں منضبط کرنا سخت دشوار ہی۔ گویا کہ انسانیت کا مصداق ایک ایسا ناپیدا کنار سمندر ہی کہ بڑی بڑی دوربین عقلیں اُس کی گہرائی و رفعت

کرنے سے قاصر ہیں اور بلند پرواز اندیشہ کی رسائی اُس کے ساحل تک نہیں ہوسکتی۔

اگر انسان پر بلحاظ اُس کے اکتسابی اوصاف کے نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ اُنکے درمیان کوئی ارتباط ہی جو اُنکو ایک سلسلہ میں منسلک کرتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا اصول کلیہ ہی جسکے تحت وہ داخل ہوسکتے ہوں۔ اس حالت میں کہ تمکو ایسا شخص معلوم ہوتا ہی جو توسط اور اعتدال کی قدر وقیمت جانتا ہی اور اپنی تمام خواہشوں اور رغبتوں کو تدبّر اور تفکّر کے معیار سے جانچتا ہی اور اپنے ہر قسم کے اعمال وافعال کو عدل ومیانہ روی کی میزان میں وزن کرتا ہی۔ اُسکے داہنی جانب تم ایک ایسا شخص دیکھوگے جسکا دل دنیا کی زندگی سے سیر ہوچکا ہی نہ اُسکو دنیوی لذات کی خواہش ہی اور نہ اُسکے دل میں دولت وثروت کی آرزو باقی ہی۔ آبادی سے اُسکو قطعاً نفرت ہی وہ تنہائی اور فقر وفاقہ کی حالت میں مثل وحشی جانوروں کے بنوں اور پہاڑوں میں رہنا پسند کرتا ہی اور ہر وقت اپنے پروردگار کی جناب میں یہی دعا کرتا ہی کہ دنیا کی طرف سے اُسکو زیادہ تر نفرت ہو اور اُس کی مکافات میں وہ خدا کی رضامندی چاہتا ہی۔ اور اُسکے بائیں جانب تمکو ایک ایسا شخص نظر آئیگا جس کی عقل دنیوی لذات پر اسقدر فریفتہ ہوچکی ہی کہ اُسکو برائی بھلائی اور خیر وشر میں فرق کرنیکی تمیز باقی نہیں رہتی ہی۔ اُسنے اپنے نفس کی باگ ڈھیلی کرکے سوسائٹی کے اخلاق وآداب سے اُسکو آزاد کردیا ہی جس طرف اُسکو نفسانی خواہشات لیجاتی ہیں اُسی طرف مائل ہوجاتا ہی۔ اگر تم ایک ایسا شخص دیکھتے ہو جو بوجہ اپنی جہالت اور نادانی کے حیوانات کی نسبت بھی زیادہ تر پست رتبہ سے گذر کر جمود وخمود اور سستی اور کاہلی کے لحاظ سے جمادات کے قریب قریب پہونچگیا ہی تو اُسکے برابر تم کو ایک شخص ایسا بھی نظر آتا ہی جو نہایت وسیع اور عمیق علم رکھتا ہی اور ہر وقت کائنات کے مخفی رموز واسرار کے

دریافت کرنے میں منہمک اور عقلی اور طبعی لذات میں مصروف رہتا ہی۔ اگر تم ایک ایسا شخص دیکھتے ہو جو اپنی زندگی کو اسقدر عزیز رکھتا ہی کہ اُس کی بنسبت بزدلی کا شرمناک الزام عائد ہوتا ہی تو اُسکے مقابلہ میں تمکو ایک دلیر اور جوانمرد نظر آئیگا جسپر میدان جنگ میں تلواروں کی کھٹاکھٹ اور توپوں کی گرج اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنکر عالم خودرفتگی طاری ہو جاتا ہی اور بہادر سپاہیوں کے خون کا سیلاب (جنہوں نے اپنی قومی عزت کی حمایت میں جان دی ہی) زمین پر بہتا ہوا دیکھکر اُسکو نہایت خوشی حاصل ہوتی ہی۔ پس ہر شخص نے انسان کی حالت پر ان تمام ممکن اوصاف کے لحاظ سے غور کیا ہے۔ جنکے قبول کرنے کی قابلیت اُس میں موجود ہی کیا وہ اُنکو کسی عام قاعدے کے تحت میں منضبط کر سکتا ہی؟ ہرگز نہیں۔

انسان کی خواہشوں اور رغبتوں کے لیے کوئی خاص حد معین قرار نہیں دیجا سکتی جہاں اُنکی انتہا ہو جاتی ہی بلکہ جس مقام پر وہ پہونچتا ہی اُس سے آگے بڑہنے کا شوق اُسکو دامنگیر ہوتا ہی اور جب وہ اپنی اس آرزو میں کامیاب ہوتا ہی تو اُس کو ایسی خوشی حاصل ہوتی ہی جو اُسکو اور آگے بڑہنے کے لیے آمادہ کرتی ہے اور تمام پچھلی کامیابیاں اُس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہیں۔

اب وہ زمانے گئے جبکہ امریکا کا دریافت کرنیوالا اور ریل اور تار برقی کے موجد مجنون خیال کیے جاتے تھے کیونکہ لوگ ایسی باتوں کو ناممکن سمجھتے تھے اب ایسا وقت آیا ہی جبکہ علما کا یہ خیال ہی کہ عنقریب ایک زمانہ آنیوالا ہی کہ ہمارے اور اُس زمانہ کے لوگوں میں اسقدر فرق ہوگا جسقدر کہ ہمارے اور ادنی حیوانات کے درمیان ہے۔

اسقدر غور و فکر کرنے کے بعد ہم یہ فیصلہ کرنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ انسان

لہ قد یکاد صہیل الجرد یقذفہ من سرجہ طلبا للعز والطلب (متنبی)

حیوان کے درمیان جو چیز مابہ الافتراق ہی وہ نطق نہیں ہی جیسا کہ ارسطو کا قول ہی اور نہ تفکر بالقوۃ ہی جیسا کہ عرب کے فلسفیوں کا خیال تھا اور نہ وہ مابہ الافتراق دینداری ہی جیسا کہ ہیبیوں کاٹردنگ (ایک فرنچ فلاسفر) کی راے ہی بلکہ حقیقی مابہ الافتراق یہ ہی کہ انسان میں اسقدر عقلی اور اخلاقی ترقی کرنے کی استعداد اور قابلیت موجود ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہوسکتی اور حیوان ایک خاص اور مقرر حد تک ترقی کرسکتا ہی جس سے آگے وہ ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ پس اس لحاظ سے انسان اور حیوانات کے درمیان وہی فرق ہوگا جو محدود اور نامحدود چیزوں کے درمیان ہوسکتا ہی۔

اگر اس بدیہی دعوی کی تائید میں کسی یورپین عالم کے اقوال سے استشہاد کرنیکی ضرورت ہو تو ہم صرف دو مشہور اور نامور مغربی عالموں کے قول پر اکتفا کرتے ہیں علامہ لاروس نے (ایک فرنچ فلاسفر) اپنی کتاب دایرۃ المعارف میں انسانی ترقی کی نسبت بحث و گفتگو کی ہی اور اسکے ضمن میں اُسنے لکھا ہی کہ "انسانی ترقی کے لیے کوئی خاص حد قرار دینا ایک ایسی جرأت ہے جو معیوب خیال کی جاسکتی ہی میسیو بنیان نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ الادیان"

میں لکھا ہی کہ "مینے انسان کے حالات کو بنظر غائر مطالعہ کیا ہی۔ بعض اوقات مینے اُسکو پایا ہی کہ وہ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرکے سخت کوشش کرتا ہی تاکہ وہ سبب دریافت ہوجائے جسکے باعث سے اُسکے اختیار و اقتدار کی حدود غیر متناہی ہیں نیز تاکہ وہ اس تمام مادی عالم پر مسلط ہو جائے" کیا یہ اس امر کی صریح دلیل نہیں ہی کہ انسان اپنے جوہر کی برتری اور گراں مائگی اور اپنی خوش قسمتی کے لحاظ سے ان تمام مادی چیزوں میں ممتاز ہی جسکو قدرت نے محدود پیدا کیا ہی؟ اس میں شک نہیں کہ نفس کی اس قسم کی جدوجہد کے مشاہدہ کرنے کے بعد ایک دیکھنے والے کے دل میں نوع انسان کے احترام کی طرف میلان پیدا ہوتا ہی جسکا اُسکو بخوبی استحقاق حاصل ہی اور وہ اپنی عظمت پر

فخر کرسکتی ہی۔

لیکن جسطرح خدانے نوع انسان میں فضائل و کمالات کی طرف غیر متناہی درجات ترقی کرنے کی قابلیت ودیعت کی ہی اسیطرح رذایل کے نامحدود درجات کی طرف تنزل کرنے کی استعداد بھی اُس میں رکھی ہی۔ غور کرنے والوں کے لیے سب سے بہتر عبرت کا سبق قوموں کی تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہوسکتا ہی۔

انسان دنیا میں بالکل جاہل اور ناواقف پیدا کیا گیا ہی۔ مگر حیوان کی ایسی حالت نہیں ہی کیونکہ خالق عالم نے بذریعہ فطری الہام کے ان تمام امور کی اسکو ہدایت کی ہی جو اُس کی زندگی اور حفظ نوع کے کفیل ہوسکتے ہیں۔ وہ اپنے مقررہ درجے سے افراط اور تفریط کی طرف ہرگز مائل نہیں ہوتا اور پیدا ہونے کے ساتھ ہی وہ تمام کاروبار شروع کردیتا ہے جو اُس کی زندگی میں موجب راحت ہیں مثلاً وہ اپنا گھر بناتا ہے اپنے لیے خوراک تلاش کرتا ہے اور جب ضرورت ہوتی ہے تو ایسا مناسب مقام تجویز کرتا ہی جہاں وہ اپنے چھوٹے بچوں کو رکھکر آسانی اور اطمینان کے ساتھ اُنکی پرورش کرسکے اگر علم الحیوان کا مطالعہ کیا جاے تو اس قسم کی صدہا باتیں معلوم ہونگی جو انسان کے لیے موجب حیرت ہوسکتی ہیں۔ مگر انسان ان تمام خصوصیات سے بالکل محروم ہے اور اس کو بجاے ان تمام خصوصیات کے قدرت نے ایک نہایت مہتم بالشان فضیلت عطا فرمائی ہی یعنی یہ کہ اُسکو اپنی قوت فکریہ میں غیر متناہی تصرف کرنے کی آزادی حاصل ہی۔

انسان باوجودیکہ جسمانی حیثیت سے نہایت کمزور اور ضعیف الخلقت پیدا کیا گیا ہی لیکن اُس کے دل میں یہ ایک فطری خیال ہے کہ وہ تمام کائنات کا بادشاہ اور اشرف المخلوقات ہی۔ پس اُسکی جسمانی کمزوری اور عاجزی اُسے اُس بلند ترین رتبہ پر پہونچنے سے نہیں روک سکتی جو قدرت نے اُسکے لیے قرار دیا ہی اور جسکی

دھندلی تصویر کبھی اُسکے وجدان میں نمودار ہوتی اور فوراً غائب ہوجاتی ہے۔ اور اس طرح یاس و امید کے بین بین ایک حالت طاری ہوتی ہے جو انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس عظیم الشان رتبہ کے حاصل کرنے کی غرض سے جس کی کیفیت اور ماہیت مجہول ہے اور جس کا مخفی احساس نفس میں پایا جاتا ہے، اپنی تمام عقلی اور فکری قوتوں کو صرف کرے۔ یہ رفیع الشان مرتبہ جس کی دھندلی روشنی انسانی وجدان میں کبھی کبھی چمکتی اور غاموش ہوجاتی ہے نفس انسانی کی ایک فطری تمنا ہے، مگر اُس کی ماہیت کے تعین میں انسانی افراد نے بلحاظ اختلاف امزجہ و امکنہ و ازمنہ اختلاف کیا ہے۔ اور ہر شخص نے حتی الامکان غور و فکر کر کے اپنی حالت کے مطابق اس روحانی رغبت کا سراغ لگایا ہے۔ بعض لوگوں نے جسمانی قوتوں اور بہیمی خواہشوں میں اُس کو محصور رکھا ہے۔ اُنہوں نے زیب و زینت کے لیے مختلف قسم کے سامان ایجاد کرنے اور عیش و طرب کے وسائل مہیا کرنے میں اپنی کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا ہے جس سے مختلف قسم کے عجیب و غریب پیشے اور فنون لطیفہ پیدا ہوگئے ہیں اور مفید صنعتوں اور حرفتوں کے اصول مدوّن ہوئے ہیں۔ اور بعض نے حکومت اور سلطنت کو خیال کیا ہے۔ اُنہوں نے ممالک کو فتح کرنا اور رعایا کو مسخر کرنا شروع کیا اس سے دنیا میں خونریز لڑائیاں واقع ہوئیں اور اُنکے باعث سے ایسے علوم و معارف ایجاد ہوئے جن سے قوموں کے عروج و زوال اور انکی زندگی اور موت کے اصول دریافت ہوتے ہیں اور جنکو قوموں کی تہذیب اور شائستگی کی تدریجی ترقی کیساتھ نہایت گہرا ارتباط ہے۔ اور بعض اُسکو نفسانی ریاضت اور اخلاق کی تہذیب گمان کیا ہے۔ اس سے علوم اخلاق اور علمی مباحث اور فلسفی مسائل پیدا ہوئے جس سے عقلی مادے میں ترقی اور فکری قوت کے دائرہ کو وسعت حاصل ہوئے غرضکہ اسی طرح پر اختلاف مشارب کے باعث سے انسانی ترقی اس درجہ تک

پہونچی ہی جسکو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس نفسانی سعادت کی تلاش و جستجو میں یہ نفسانی تحریک اُسوقت تک جاری رہیگی جب تک کہ نوع انسان اس درجے تک نہ پہونچ جاے جو قدرت نے اُسکے لیے قرار دیا ہی۔

اس حیرت انگیز مدافعت کے اثنا میں خداوند تعالیٰ انبیار کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرماتا تہا اور اُنپر ایسے طریقے کی وحی کرتا تھا جو اُن زمانوں کے لیے مناسب ہوتا تہا کہ اگر انسان اُس کی پیروی کرے تو قریب ترین راہ سے دنیوی و اُخروی سعادت کے اعلیٰ مدارج پر پہونچسکتا ہی۔ چند لوگ جن کی بدولت نوع انسان کی ترقی ایک حالت سے دوسری حالت پر خدا کو منظور ہوتی تھی وہ پیغمبروں کا اتباع کرتے تھے اور ایک عرصہ تک اُنکی تعلیم و تلقین اور اُن کی ہدایتوں پر ثابت قدم رہتے تھے اور اُسکے بعد وہ آسمانی کتابوں میں تحریف و تاویل کرکے اُنکو نوع انسان کی رہنمائی کے ناقابل بنادیتے تھے اور بدستور اپنی باہمی مدافعت اور مخاصمت میں مصروف ہوجاتے تھے یہانتک کہ زندگی کے قوانین فطرت اُنکو شائستگی کے ایک درجے پر ترقی کرنے کے لیے آمادہ کرتے تھے اور خداوند تعالیٰ اُن میں پہر ایک رسول مبعوث فرماتا تہا جو شائستگی کے اس جدید درجے پر ترقی کرنے میں سب کا پیشرو ہوتا تہا۔ نوع انسان کی تمام قوموں میں باہمی مدافعت اور مخاصمت کی یہی حالت رہی یہانتک انسانی عقل کا نمو درجۂ تکمیل کو پہونچگیا اور اُس کو نیک و بد میں تمیز کرنے کی قوت پیدا ہوئی۔ پس اسوقت خدا نے حضرت سیدالمرسلین خاتم النبیین کو ابدی شریعت کیساتھ مبعوث فرمایا۔ خیالات کی آویزش اور عقلی جنگ و جدل کے جو آثار اسوقت کرۂ زمین کے باشندوں میں دیکھے جاتے ہیں ان سے ڈرنا نہ چاہیئے اور نہ یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ کسی جدید پیغمبر کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہی کیونکہ یہ تمام جوش و خروش جو اسوقت ظاہر کیا جارہا ہی اور یہ چہل پہل

جو تمہارے سامنے نظر آرہی ہے وہ صرف موجودہ اور آیندہ نسلوں میں اسلام کی حقیقت کے سمجھنے کی استعداد پیدا کرنے کی غرض سے ہے۔

"سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق اولم یکف بربک انه علی کل شیٔ شھید"	اب ہم دکھائینگے اُنکو علامتیں دنیا میں اور اُن کے نفوس میں تاکہ اُنپر ظاہر ہوجائے کہ حق کیا ہے کیا تیرے رب کا ہر چیز پر مطلع ہونا کافی نہیں ہے۔

•(۴)•

تکالیف الحیات

زندگی کیا چیز ہی؟ دنیا کی زندگی ایک مسلسل اور دائمی جنگ ہی جسکے ہولناک معرکوں کے سامنے بڑے بڑے تاجداروں کی گردنیں جھکتی ہیں اور جسمیں امیر غریب جاہل عالم، غلام آقا، نادان اور دانا، سب برابر ہیں ایک کو دوسرے پر کسی قسم کی خصوصیت اور ترجیح حاصل نہیں ہی۔ بلکہ یہ ایک ایسا سرچشمہ ہی جس میں سے شیریں پانی کا ایک گھونٹ حاصل کرنے کے لیے سخت مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا پڑتا ہی اور بعض اوقات ایسی تلخ کامیاں نصیب ہوتی ہیں جنکا تدارک کرنا ہر شخص کو مشکل ہو جاتا ہی۔

کیا تم جانتے ہو کہ انسان کی زندگی کیا چیز ہی؟ انسان کی زندگی ایک نہایت قلیل المقدار مدت ہی جسکے رنج و الم تکالیف اور مصائب حد شمار سے باہر ہیں۔ اس میں انسان کو ایسے حادثات کی تلواروں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہی جن کے وار سے نہ تو فولادی زرہیں بچا سکتی ہیں اور نہ مستحکم قلعے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جسوقت انسان پیدا ہوتا ہے اسی وقت سے یہ حادثات سایہ کی طرح اسکے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ وہ سن تمیز کو پہنچتا پھر جوان ہوتا اور آخر کار پھر بڈھا ہو جاتا ہی مگر تکالیف حیات اور مصائب زندگی کے متواتر حملوں سے اسکو ایک منٹ کے لیے بھی مہلت نہیں ملتی۔ حتی کہ انسان مجبور ہو کر یہ آرزو کرتا ہی کہ کاش وہ حیوان ہوتا اور ان مصائب زندگی سے جنکے برداشت کرنے سے مستحکم اور سربفلک پہاڑ بھی عاجز ہیں اور جو بوجہ رفیع المرتبت اور اشرف المخلوقات ہونے کے اسپر نازل ہوتی ہیں محفوظ رہتا۔

"انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان"

(ہمنے ذمہ داری کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اسکو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے بے تامل اسکو اٹھا لیا)

انسان نہ تو کوئی آسمانی فرشتہ ہے کہ وہ خواہشوں اور رغبتوں اور نیز اُن کی منغض کرنے والی تلخیوں سے الگ تھلگ رہے اور نہ وہ حیوان لایعقل ہے کہ زندگی کی تاثرات اور اُس کے آلام اور اسقام کا احساس اُس کے دل میں کمزور رہو بلکہ خالق عالم نے اُسکو ان دونوں مرتبوں کے بین بین ایسے درجے پر رکھا ہے کہ اگر وہ کما حقہ اپنے نفس کا احترام کرے تو اسقدر عظیم الشان رفعت اور برتری حاصل ہو سکتی ہے کہ فرشتے اُسکی خدمت کو اپنا فخر سمجھیں لیکن اگر وہ اپنے نفسانی فرائض کی بجاآوری میں کوتاہی کرنے لگے اور بشریت کے تسلط کا مطیع و منقاد ہو جاوے تو وہ تنزل اور انحطاط کے ایسے عمیق گڑھے میں گریگا کہ اُس کی ذلیل ترین اور بدترین حالت کو دیکھکر ادنی حیوانات بھی اُس سے نفرت کرینگے خدا نے ازل سے ہی اُس کی قسمت میں لکھدیا ہے اور اُس میں ایسی استعداد اور قابلیت ودیعت کی ہے جس کی بدولت وہ رفعت اور کمال کے اُس مرتبہ پر پہونچ سکتا ہے جو اُس کی شان کے لائق ہے اور اُس کے دل کو ایک ایسی عقل کا مسکن بنایا ہے جو اُسکے سامنے تاریک حالات کو روشن کرتی اور خطرات کی قیود سے آزاد کرتی ہے بشرطیکہ مناسب طور پر اُس سے مشورہ کیا جاوے اور اُس کی ہدایتوں کے مطابق کاربند ہو۔ انسان کے گرد و پیش جسقدر مصائب اور شدائد پیدا کیے گئے ہیں اُنسے یہ غرض نہیں ہے کہ انسان بلا وجہ عذاب اور مصیبت میں مبتلا رہے یا یہ کہ (العوذ باللہ) اُس کی فریاد و فغاں اور آہ و زاری کی آواز خدا کو خوشگوار معلوم ہوتی ہے بلکہ یہ تمام مصائب اور شدائد انسان کے لیے موجب عبرت اور نصیحت ہوتے ہیں جو اُسکو آیندہ ٹھوکر کھانے سے محفوظ رکھتے اور ہلاکت سے بچاتے ہیں۔

"ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذ یقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون"

صرف لوگوں ہی کے کرتوتوں سے کیا خشکی میں اور کیا تری میں یعنی ہر جگہ خرابیاں ظاہر ہو چکی ہیں کہ لوگ جیسے جیسے عمل

کر رہے ہیں خدا اُنکے بعض اعمال کا مزا اُن کو چکھاتا ہی تاکہ وہ ایسی حرکات سے باز آئیں"
بیشک جسقدر مصائب اور شدائد انسان کو محیط ہیں اور نیز وہ تغیرات جو اُس کی قریب الحصول امیدوںکو درہم برہم کر کے مایوسی سے بدل دیتے ہیں وہ ہرگز انسان سعادت و فلاح اور اُس کے حصول مقاصد کے درمیان سدِ راہ نہیں ہیں پس انسان کو مثل اُس نافرمان بچے کے ہونا چاہیئے جسکا باپ اُسکو سستی اور کاہلی سے منع کرتا ہے اور اسلیے وہ اپنے شفیق باپ کو بیرحم اور قسی القلب خیال کرتا ہی۔

"اللہ ارأف بعبادہ من ھذا العصفور علی فرخہ" "خدا اپنے بندہ پر اُس سے زیادہ مہربان ہی جسقدر کہ یہ چڑیا اپنے چھوٹے بچہ پر مہربان ہوتی ہی"

ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ انسان میں اُس امر کی استعداد اور قابلیت کی گئی ہی کہ وہ رفعت اور برتری کے ان غیر متناہی مدارج پر جن کی تحدید سے شعرا کے تخیلات بھی قاصر ہیں ترقی کر سکتا ہی۔ پس جبکہ یہ امر آپکے نزدیک مسلم ہوچکا ہی تو میں دریافت کرتا ہوں کہ وہ کونسے وسائل ہیں جو انسان کو اس ظلمتکدۂ آب و گل سے اٹھا کر اُس عالم نور میں پہنچانیوالے ہیں؟ کیا آپکا یہ منشا ہی کہ آسمان سے خدا کے فرشتے نازل ہوں اور انسان کا ہاتھ پکڑ کر اُس رفیع ترین مقام پر کھینچتے ہوئے لیجائیں جو قدرت نے اُسکے لیے قرار دیا ہی۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ بیشک ہمارا یہی منشا ہی تو میں پوچھتا ہوں کہ پھر خالق عالم نے انسان میں وہ تمام عقلی اور فکری قوتیں کیوں ودیعت کی ہیں جن کی طرف ادنی التفات کرنے سے معلوم ہو سکتا ہی انسان کے دل میں ایک ایسا غیر متناہی ہی جسکے گرانمایہ جواہرات پر غور کرنے میں اُس کی تمام عمر صرف ہوجاوے یہ ایک ایسا خزانہ ہی جسکے مقابلہ میں زر و جواہر کی کوئی حقیقت نہیں اور جو انسان کو اس اعلیٰ ترین مرتبہ کی تلاش کے لیے جبراً آمادہ کرتا ہی جو دنیا میں اُس کی عظمت اور شان کے لائق ہی۔

"ما وسعنی ارضی ولا سمائی ولکن	"میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں اور
وسعنی قلب عبدی المومن اللین	نہ آسمان میں۔ لیکن میں اپنے اس بندہ
الوادع"	کے دل میں جو با ایمان اور نرم خو ہے۔

اے حضرت انسان! آپ اپنے نفس سے غافل اور اپنے اشرف ترین خصائل ہی بالکل بے خبر ہیں۔ آپ کو ہرگز مناسب نہیں ہے کہ آپ شاعروں کے خرافات کو سنکر پھولے نہ لگیں اور زمانہ کی مذمت اور گذشتہ آیندہ حالات پر نوحہ کرنے میں انکا ساتھ دیں آپ نے اپنی تمام عمر مصائب کا خیال کرنے اور حادثات سے ڈرنے اور نیز ایسے دور از کار اوہام اور خیالات خام کے پختہ کرنے میں صرف کی ہے جنسے حیوانات بھی نفرت کرتے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے لیے جس کی بلند پرواز فکر آسمان کے ستاروں اور عالم کے عجائبات پر محو ہو یہ بات مناسب ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھکر پستی اور دنارت کے اس درجہ پر اتر آئے کہ وہ ان تمام عظیم الشان مواہب قدرت کو ایسے کاموں میں صرف کرنے لگے جو سراسر موجب رسوائی ہیں اور جب اس کی بداعمالیوں کے ناگوار نتائج ظاہر ہوں اور اس کو خواب غفلت سے بیدار کریں تو مارے خوف کے کانپ اٹھے اور عورتوں کیطرح رونے اور چلانے اور عبرت اور نصیحت کی طرف سے آنکھوں کو بند کرکے آنسو بہانے لگے اور اس طرح ان اشرف ترین فضائل کو ضائع کر رہا ہے جو اسکو اعلی مرتبہ پر پہنچانے کے لیے عطا ہوئے ہیں۔

"ومن الناس من یعبد اللہ	"اور لوگوں میں کوئی ایسا ہی ہے جو خدا کی عبادت تو
علی حرف فان اصابہ خیر	کرتا ہے مگر اکھڑا اکھڑا کہ اگر اسکو کوئی فائدہ پہونچگیا تو
اطمان بہ وان اصابتہ فتنۃ	اس کی وجہ سے مطمئن ہوگیا

انقلب علی وجهه خسر الدنیا والآخرة ذٰلك هو الخسران المبین ۔۔ | اور اگر اسپر کوئی مصیبت آپڑی تو جدہر سے آیا تھا الٹا ادوہری کو لوٹ گیا اُسنے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی۔ صریح گھاٹا یہی کہلاتا ہی ۔۔

اے حضرات انسان! جنکو آپ مصائب خیال کرتے ہیں وہ صرف خدائے جبار کا دست قدرت ہی جو آپ کو اُس غرض و غایت کی طرف متوجہ کر رہا ہی جو آپ کی پیدایش سے مقصود ہی اور تمہاری مسلسل گمراہی نے جس سستی و کاہلی اور جمود وخمود میں مبتلا کر رکھا ہی اُس سے تمکو بار بار چونکا رہا ہی۔ بیشک جس خالق نے تم کو بیجان اور ٹھوس مٹی سے پیدا کیا ہی اور اس لپست ترین مرتبہ سے کمال کے اعلیٰ مدارج پر لیجانا چاہا ہی اُسنے انسان کے سر پر تین چیزیں ایسی مسلط کی ہیں جن کی مشکلات پر اگر غور کیا جائے اور اُن کے اسباب اور نتائج کی نسبت فکر کیجائے تو انسانی سعادت و فلاح کا وہ طریقہ معلوم ہو سکتا ہی جسکو انسان تلاش کر رہا ہی اور جس کی حسرت میں مر رہا ہی حالانکہ وہ طریقہ اُس کی آنکھوں کے سامنے ہی اور ضرورت صرف اسبات کی ہی کہ وہ اس سیدہی سڑک پر روانہ ہو جائے اُسکے بعد منزل مقصود تک پہونچنے میں کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہتا۔

وہ تین چیزیں جو انسان پر قدرت کی طرف سے مسلط کی گئی ہیں یہ ہیں۔

(۱) طبیعت (۲) نفس انسانی (۳) بنی نوع انسان۔ طبیعت انسان کے جسم کی اصل ہی جسپر اُس کی جسمانی راحت اور مادی صلاح و فلاح کا انحصار ہی۔ جبوقت انسان پیدا ہوا اور اس مادی عالم میں ڈالا گیا تو اُسکو بے شمار نوامیس فطرت اور عوارض طبعی کا مقابلہ کرنا پڑا اسوقت وہ برہنہ جسم اور خالی ہاتھ تھا، کوئی ہتھیار اُسکے پاس موجود نہ تھا۔ سورج کی حرارت، زمین کی رطوبت، آسمان کی موسلا دہار بارشیں اور جنگلوں کی لوئیں اُسکو تکلیف دیتی تہیں۔ وحشی درندے اپنے مہیب دانتوں اور تیز پنجوں سے اُسکو ڈراتے تھے۔ غرضکہ ان مصائب کے درمیان انسان ایسے تیروں کا نشانہ

بن رہا تہا جسنے کوئی سپر اُسکو محفوظ نہیں رکھ سکتی پس اگر مثل دیگر حیوانات کے اُسکی قوتیں محدود ہوتیں تو اُس کے لیے ایک منٹ بہی زندہ رہنا ناممکن تھا۔ مگر خداوند تعالے نے اُسکو ایسی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن کی مدد سے وہ طبیعت کو مغلوب و مقہور اور نیچر کی قوتوں کو مسخر کر سکتا ہی۔ غرضکہ انسان نے عوارض طبعی کے مقابلہ میں اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو استقلال کیساتھ قائم رکہا اور اپنی فکر کے تیز ہتہیار کے ساتھ معرکہ آرائی کرتا رہا۔ ابتدا میں اُسنے ایسی صنعتیں ایجاد کیں جو اسوقت اُس کی حفاظت کیلیے کافی نہیں اور اُن کی اصلاح میں کوشش کرتا رہا اور بتدریج ترقی کرنی شروع کی یہانتک کہ غاروں کی سکونت کے بعد اُسکو مکانات کی تعمیر کرنے پر دسترس حاصل ہوئی اور اُس کے بعد کہ وہ درختوں کی جڑوں اور اُنکے پتوں سے اپنی قوت لایموت حاصل کرتا تہا زمین کو جوتنے اور بونے اور غلہ حاصل کرنے لگا۔ مگر طبیعت ایک لحظہ بہی اُس سے غافل نہیں رہی تاکہ اُس کی ہمت میں سکوت اور اُس کی حرکت میں سکون نہونے پاوے۔ پس جسوقت وہ کسی کام کو نہایت اتقان اور استحکام کے ساتھ تیار کرکے فارغ اور مطمئن ہوتا تو طبیعت فوراً اُسپر حملہ کرکے اُسکو درہم برہم کردیتے تھے اور وہ مجبوراً پہر اُس کی اصلاح میں مصروف ہوتا تہا۔ چنانچہ یہی مدافعت اور مخاصمت کا سلسلہ ہمارے اور طبیعت کے درمیان آجتک جاری ہی۔

یہ مسلسل اور دائمی جدال و قتال جو ہمارے اور طبیعت کے درمیان ابتداے آفرینش سے ہورہا ہی اُسکا ایک نتیجہ انسان کی وہ مادی ترقی ہی جسکو ہم آج لندن اور پیرس میں بلحاظ عجیب و غریب صناعات اور حیرت انگیز ایجاد و اختراعات کے دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کے حالات اگر کسی مشرقی شخص کے سامنے بیان کیے جاویں تو وہ کہنے والے کو مجنوں خیال کریگا۔ یہ مادی ترقی طبعی طور پر نہایت عظیم الشان اور بی ترقی کو مستلزم ہی کیونکہ مادی ترقی بغیر عقلی قوت کے کام میں لانے کے حاصل نہیں ہوسکتی

اور یہ بدیہی بات ہے کہ یہی قوت تمام انسانی فضائل و کمالات کی بنیاد ہے۔
بس دیکھو جن چیزوں کو ہمارے آبا و اجداد تکالیف اور مصائب خیال کرتے تھے۔ کس طرح پر اُنھوں نے انسان کو ترقی اور خوش حالی کے لئے اُکسایا اور اُسکو حیوانیت کے گڑھے سے نکال کر انسانیت کی بلندی پر پہونچایا ہے؟ کیا اس کے بعد بھی یہ بات جائز ہے کہ ہم ان مصائب کی مذمت کریں حالانکہ صرف وہی انسانی فکر کو اسباب سعادت و فلاح کی طرف متوجہ کرنیوالے ہیں؟ کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم بجاے رونے اور چلّانے کے ایسے وسائل استنباط کریں جو ان طبعی مضرتوں کو ہلاک کرنیوالے ہوں؟ جبکہ یہ امر انسانی فکر کی قدرت سے باہر نہیں ہے کہ وہ ایک ایسا آلہ ایجاد کرے جو بجلی کو گرفتار کرکے اسفل السافلین تک لیجائے تو یہ بات کیونکر اُس کے امکان سے خارج ہوسکتی ہے کہ وہ کوئی ایسا سیدھا سادہ طریقہ دریافت کرے جس سے ان کیڑوں کے نقصانات کم ہوجائیں جو روئی کی فصل کو بسا اوقات برباد کردیتے ہیں اور جن کے مقابلے سے ہمارے ملک کے کاشتکار بالکل عاجز ہیں۔ یورپین قومیں طبعی حادثات کے علل و اسباب کا سُراغ لگانے کی عادی ہیں اور جس وقت کوئی نیا حادثہ واقع ہوتا ہے تو وہ فوراً اُس کے اسباب کی جستجو شروع کردیتے ہیں اور اُس کا علاج دریافت کرتے ہیں تاکہ اُسکا دفعیہ ہو یا کم ازکم اُس کے نقصانات کو ہلکا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ کیونکہ انکو اس امر کا یقین کلی حاصل ہے کہ انسانی فکر میں وہ تمام طریقے موجود ہیں جو اُنکی آیندہ زندگی کے کفیل ہیں جیسے کہ وہ گزشتہ میں تھے۔ اور یہی اُن کی موجودہ حیرت انگیز ترقی کا اصلی سبب ہے۔

انسانی ترقی میں دوسری جو چیز موثر ہے وہ خود نفس انسانی ہے۔ یہ موثر نہایت قوی اور اُس کی تاثیر نہایت زبردست ہے۔ پہلے موثر کی نسبت اُسکو صرف یہی امتیاز حاصل ہے کہ وہ معنوی ہے۔ ہر ایک انسان اس امر کا احساس کرتا ہے کہ اُس کا

وجدان ایک نہایت وسیع میدان ہے جو مختلف خواہشوں اور رغبتوں اور بیشمار امیدوں کا جولانگاہ بن رہا ہے۔ کوئی شخص نہ ان چیزوں کو اپنے وجدان سے نکال سکتا ہے اور اُن کی اُس تاثیر کو جو وجدان پر ہوتی ہے باطل کر سکتا ہے۔ اس بارہ میں اُس کی تمام کوششیں یقینی بیکار ہونگی۔ چونکہ یہ خواہشات قوانین محسوسات کی حد اقتدار سے خارج ہیں۔ اس لئے اعتدال کی میزان میں اُن کا وزن کرنا ممکن ہے، اور چونکہ یہ رغبتیں تحدید کے اختیار سے باہر ہیں۔ اس لئے انسان اپنی آنکھوں سے اُس مرکز کو نہیں دیکھ سکتا جس کی طرف وہ اضطراری طور پر کھنچا ہوا جارہا ہے۔ اور چونکہ یہ امیدیں احکام قناعت کی فرمانبرداری سے آزاد ہیں اس لئے اُن کو کسی خاص نقطہ پر ٹھیرانا ناممکن ہے بلکہ خالق عالم کی قدرت اور حکمت کا یہی منشا ہے کہ یہ اندرونی موثرات ہر ایک قید سے آزاد اور ہر ایک حد سے متجاوز اور ہر ایک رابطہ اور ضابطہ سے باہر رہیں۔ اور چونکہ ان میں ایک قوی تحریک اور زبردست تاثیر ودیعت کی گئی ہے۔ اس لئے وہ انسان کے وجدان میں مثل اُن موجوں کے ہیں جو مقابل کی سمتوں سے اُٹھتی اور نہایت زور و شور کے ساتھ باہم ٹکراتی ہیں۔ اُن کا جوش و خروش اور تلاطم اور تصادم اسقدر ہولناک ہوتا ہے کہ خود انسان جس کے دل سے یہ لہریں پیدا ہوتی ہیں خوف زدہ ہو جاتا ہے۔

اُس شکستہ حال شخص کی طرف دیکھو جو پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے اُس درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا ہے اور جس کے چہرہ سے مایوسی اور سراسیمگی کے آثار ظاہر ہیں کیا تم خیال کرتے ہو کہ اُس کا ظاہری سکون اُس کے باطنی سکون پر دلالت کرتا ہے یا یہ کہ فقر فاقہ کے صدمات نے اُس کے دل کی پوشیدہ امیدوں اور وجدانی لہروں میں سکون پیدا کر دیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اُس کی حالت ان نفسانی انفعالات کے لحاظ سے اُس عظیم الشان شہنشاہ کی نسبت ہرگز کم نہیں ہے جو ایک مہذب

اور شائستہ اور ترقی یافتہ قوم میں تخت و تاج کا مالک ہے۔ کمزور انسان اس کرۂ زمین پر محدود جسم کے اندر ایک غیر محدود چیز پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے دل میں جس کی مقدار چند انچ سے زیادہ نہیں ہے ایک ناپیدا کنار سمندر موجزن ہے۔ وہ کائنات کی محدود اور مشہور چیزوں میں سے کسی چیز پر صرف اُس وقت تک اطمینان کرسکتا ہے جبتک کہ اُسکو محقق طور پر معلوم ہو جائے کہ اُس چیز سے ایک ایسی کشتی نہیں بن سکتی جس کے وسیلہ سے اُس ناپیدا کنار سمندر کو عبور کرنا ممکن ہو جس کی موجوں کے تلاطم کی ہولناک آواز وہ اپنے دل میں سنتا ہے۔ بیشک انسان نے اُس چیز کی تلاش و جستجو میں جو اُس کے نفس کی انتہائی تمنا ہے ابتدائے آفرینش سے اپنے مقدور بھر کوشش کی ہے اور اسی دھن میں اُس نے ہر راستہ کو ٹٹولا اور ہر میدان کو پے سپر کیا ہے اور وہ ہر نشیب میں اترا اور ہر ایک بلندی پر چڑھا ہے۔ ان سر توڑ کوششوں کے درمیان اُس کو ایسے موانع پیش آتے تھے جو اُس کو آگے بڑھنے سے روکتے تھے اور اس طرح پر اُس کو اُس چیز کی ماہیت میں جو اُس کو کھینچے لئے جا رہی ہے اور جس کی طرف وہ جا رہا ہے زیادہ بصیرت حاصل ہوتی تھی۔ پس وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتا اور اپنی کوششوں میں بہ نسبت سابق کے کسی قدر ترقی کرتا تھا۔ اُس کے بعد آگے چلکر پھر اُسکو حادثات اور مشکلات دامنگیر ہوتے تھے اور اُسکو معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی غرض و غایت ان تمام امور کی نسبت بالاتر ہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ اُس نے پستی سے بلندی کی طرف ترقی کی ہے اور اب یہاں تک نوبت پہونچگئی ہے کہ جب انسان کا نفس اپنی تمنا کا مطالبہ کرتا ہے تو اُسکو بجائے زمین میں تلاش کرنے کے جیساکہ پیشتر اُس کی عادت تھی اب آسمان میں تلاش کرتا ہے۔

انسانی ترقی میں تیسری چیز جو موثر ہے وہ نوع انسان ہے یہ بذات خود اور مستقل طور پر موثر نہیں ہے لیکن سابق موثر کا نتیجہ ہے۔ چونکہ نوع انسان میں جو سخت

ترین انقلابات ہوئے ہیں وہ اسی موثر کے نتیجے ہیں۔ اس لئے ہم نے اس کو مستقل موثر تسلیم کرلیا ہے۔

ہم مکرر بیان کر چکے ہیں کہ انسان اس امر میں تمام کائنات سے ممتاز ہے کہ اُسکی خواہشیں اور رغبتیں ہر قسم کی قیود سے آزاد اور اُس کے انفعالات ان تمام حدود سے متجاوز ہیں جو تصور کے احاطہ میں آسکتی ہیں۔ بخلاف حیوانات کے۔ کیونکہ وہ ایسے قواعد کے اندر محدود پیدا کئے گئے ہیں جن سے وہ ہرگز تجاوز نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔ پس جبکہ یہ بات محقق طور پر آپ کو معلوم ہو چکی ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس فطرتی بے قیدی کے عالم میں اُس کی کیا بری نوبت ہوتی اگر اُس کی زندگی میں ایسے امور پیش نہ آتے جو اُس کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشوں اور رغبتوں کو توسط اور اعتدال کے نقطے سے آگے نہ بڑھنے دے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ اس امر کا اقرار نہیں کرتے کہ اس صورت میں اُس کا وجود صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتا۔ یا اگر باقی رہتا تو وہ ایک ایسے سیلاب کے ساتھ بہتا ہوا چلا جاتا جس کو وہ منزل مقصود پر پھونچانیوالا خیال کرتا ہے۔ اور آخر کار اُس کا یہ خیال باطل ثابت ہوتا اور نہایت بدترین حالت کی موت اُسکا کام تمام کر دیتی۔

فرض کرو ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حقیقی سعادت صرف دولت و ثروت سے حاصل ہو سکتی ہے مگر نہ دولت و ثروت کے انواع و اقسام محدود ہیں اور نہ اُسکی کوئی حدود انتہا اس کے ذہن میں منقوش ہے۔ پس میں پوچھتا ہوں کہ اس خطرناک راہ میں جو انسانی خصائل کے لئے ایک مہلک چیز ہے اُس کی کیا حالت ہوگی اگر اُس کے سامنے ایسے مانع پیش نہ آئیں جو اُس کو تھوڑی دیر کے لئے روکیں اور اُسکو اس معاملہ میں غور و فکر کرنے کے لئے مجبور کریں کہ مثلاً اگر وہ ہزار برس تک زندہ رہیگا اور حصول دولت و ثروت میں کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رکھیگا تاہم وہ اپنی انتہائی

اُمیدوں کو نہیں پہونچ سکیگا یا مثلاً اگر وہ قارون وقت بھی ہو جائیگا تب بھی اُسکو سعادت و فلاح حاصل نہو گی۔

بیشک جس نے انسان کو پیدا کر کے اُس کے خیالات کو ہر قسم کی قیود سے آزادی عطا فرمائی ہے اُسی نے اُن کے مقابلے میں ایسے مانع پیدا کئے ہیں جو اُن کو افراط سے باز رکھنے والے ہیں۔ اور نیز اُس نے ایسے اسباب پیدا کئے جو تفریط سے روکنے والے ہیں۔ جو اُمور انسان کو تفریط سے روکنے والے اور پیشقدمی کے لئے اُکسانیوالے ہیں اُن کو ہم گزشتہ فصلوں میں بیان کر چکے ہیں مگر وہ موانع جو اُس کو افراط سے باز رکھنے والے اور مطالب اور مقاصد میں نقطۂ اعتدال پر قائم رہنے کے لئے مجبور کرنیوالے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم خود بنی نوع انسان کی مقاومت اور مزاحمت ہے یہ مزاحمت دو بڑی قسموں پر منقسم ہوتی ہے۔ اول ایک قوم کے افراد کی باہمی مزاحمت اور دوم وہ مزاحمت ہے جو زندگی کے کاروبار میں قوموں کے درمیان ہوتی ہے یہی دونوں قسمیں "تنازع البقا" کے نام سے موسوم ہوتی ہیں اور انہیں دونوں کی بدولت انسان کو اُن تین عظیم الشان امور کا سبق حاصل ہوا ہے جن پر قوموں کی زندگی کا انحصار ہے۔

ان عظیم الشان امور میں اول یہ ہے کہ اپنے حق سے کسی وقت بھی غفلت جائز نہ رکھنا۔ کیونکہ اگر ایسا ہو گا تو قوم بالکل اپنے درجے سے گر جائیگی۔ دوم قواعد عدل سے واقف ہونا کیونکہ جور اور ظلم کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اُس کی ہمسر دوسری قومیں دشمنی اور عداوت پر آمادہ ہو جاتی ہیں جس سے اُس کی حالت تباہی کے قریب پہونچ جاتی ہے۔ سوم تمام نوع انسان کا پوری طرح احترام کرنا۔ یہ تینوں امور جس طرح کہ کاروبار کا معیار ہیں اسی طرح وہ عظیم الشان قوموں کے درمیان جو آزادی اور استقلال کی نعمت سے متمتع ہیں باعث نظام ہیں۔ پس اگر کوئی صاحب استقلال قوم اپنی ہمسایہ قوموں

کے ساتھ مقابلہ کرنا ترک کردے تو یہ امر ضروری ہے کہ وہ اپنے مطالب اور مقاصد میں اُس سے آگے بڑھ جائیگی اور وہ قوم اُن تمام وسائل سے محروم ہو جائیگی جن پر اسکی زندگی کا قیام منحصر ہے۔ کوئی شخص اِن ترقی کرنیوالی قوموں کو ظالم نہیں کہہ سکتا بلکہ یہی قوم ظالم اور گنہگار شمار کی جاویگی جس نے ان تمام قوتوں کا استعمال کرنا ترک کر دیا ہے، جو قدرت نے اُس میں ودیعت کی تھیں۔ جو شخص انسانی گروہوں کے حالات پر غور کریگا اُس کو اُن کی باہمی مسابقت اور مزاحمت کے عجیب وغریب واقعات معلوم ہونگے۔ امر دوم عدل ہے اس کی ادنےٰ خاصیت یہ ہے کہ جس قوم پر اُس کا مبارک سایہ پڑتا ہے اُس کے افراد میں اپنے حقوق کی نسبت ایک دوسرے پر کل اطمینان ہوتا ہے اور کسی کو کسی سے جور و تعدی کا اندیشہ نہیں رہتا۔ اس سے افراد قوم کے درمیان اتحاد و ارتباط پیدا ہوتا ہے اور وہ متفق ہو کر اپنی مشترک غرض کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور وہ مشترک غرض تمام قوم کی فلاح و بہبود ہے۔ عدل کے بہترین نتائج کی اگر کوئی محسوس دلیل دیکھنا چاہے تو اُس کو موجودہ اور گزشتہ قوموں کی تاریخ پر نظر تعمق غور کرنا چاہیئے۔

نوع انسان کے احترام کی خصلت جس وقت کسی زندہ قوم کے نفس میں راسخ ہو جاتی ہے اُس کے مقابلے میں وہ تمام ہتھیار کند ہو جاتے ہیں جو زندگی کی کشمکش (تنازع البقا) کی تاثیر سے اُس کی طرف اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہمسایہ قوموں کی حرص وطمع کی بھڑکتی ہوئی آگ خاموش ہو جاتی ہے اور اُس کو اپنی خصلت کی وجہ سے اسقدر اطمینان ہوتا ہے جسقدر اسکو اپنی عظمت اور قوت پر نہیں ہو سکتا۔

اب ہم اپنے اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تینوں اصول موثرات (یعنی طبیعت اور نفس انسان اور بنی نوع انسان) اور اُنکے ساتھ

بیشمار فروعی نوامیس فطرت جو انسانی ترقی کا باعث ہیں اُن کو خالق عالم نے اس لئے مسلط کیا ہے کہ انسان وحشت اور حیوانیت کے درجے سے شایستگی اور انسانیت کے درجے پر ترقی کرے۔

الدین والعلم

مذہبی اور علمی گروہوں میں جو معرکہ آرائی آپ دیکھتے ہیں وہ قریب زمانہ کی پیداوار نہیں ہے۔ ہمکو تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانوں میں اکثر قوموں کی یہی حالت تھی، ان دونوں فریقوں کے درمیان جدال و قتال کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے زمانہ کی نسبت قدیم زمانوں کے علمی اور مذہبی جدال و قتال نہایت سخت اور برباد کن ہوتے تھے۔ اکثر قوموں کے فلاسفر قتل کئے گئے اور آگ میں جلائے گئے، زہر سے ہلاک کئے گئے اور آگ میں جلائے گئے اور اُن کا صرف یہی جرم تھا کہ وہ اپنے ہموطنوں کی عقلوں کو روشن اور اوہام اور خرافات کی زنگ سے صاف کرنا چاہتے تھے مگر ہمارے زمانے میں جیسا کہ میسیو برٹلو (M. Berthelot) کا قول ہے علم کو پوری آزادی حاصل ہو چکی اور یہ خطرہ باقی نہیں رہا کہ علم پر مذہب کو پھر کبھی غلبہ حاصل ہو سکے۔ میسیو برٹلو کا یہ قول بالکل ٹھیک ہے کیونکہ ہم اہل مغرب کی اکثر تالیفات دیکھتے ہیں جو مذاہب کی نسبت طعن و تشنیع سے لبریز ہوتی ہیں جس سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مذہب سے اس طرح نکل گئے ہیں جس طرح تیر کمان سے نکلجاتا ہے اُنھوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ وہ مذاہب کو صفحۂ ہستی سے محو ہو جانے کی دہمکی دے رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں وہ علمی قواعد اور ان اصول فطرت پر منطبق

نہیں ہے جو انسان کو ترقی دینے والے ہیں۔

میسیو نبجامن کونسٹان د   ے نے ایک کتاب
تالیف کی ہے جس کا نام (مذہب اور اُس کا سرچشمہ اور اُس کی شکلیں اور اُس کی ترقی) ہے۔ اس کتاب میں مولف نے اُن امراض سے بحث کی ہی جنہوں نے باطل اعتقادات کی مدد سے انسانی گردہوں کے جسم کو گھلا ڈالا ہی۔ اور اس کے بعد اُس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان مزمن امراض کا علاج شخصی آزادی، کانشنس کی آزادی، اعتقاد کی آزادی اور بالاجمال تمام ضروری آزادیوں کے بغیر ناممکن ہی۔ اسکے بعد اُس نے لکھا ہی کہ ؎
کہ اس طریقے سے مذاہب اپنے ہر قسم کے زنگ اور میل سے پاک صاف ہوجائینگے۔ مگر ہم کو خیال نہیں ہی کہ ایسا ہوسکے کیونکہ مذہبی اصول اور قواعد میں سے کوئی اصل اور قاعدہ ایسا نہیں ہی جسکو زنگ نہ لگ چکا ہوا ور چونکہ یہ اصول اور قواعد علم کے منافی ہیں اسلئے یہ امر یقینی ہی کہ تمام مذاہب اور ادیان بالضرور صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہوجائینگے،، ہمکو نہایت تعجب ہی کہ ایک نہایت مشہور اور نامور عالم بغیر کسی استثنا کے تمام مذاہب کی نسبت زوال کی پیشینگوئی کرے حالانکہ اُس نے تمام مذاہب کے اصول پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ اگر وہ اسلام پر غور کرتا اگرچہ یہ غور سطحی اور سرسری ہوتا تاہم اُسکو محقق طور پر یہ بات معلوم ہوجاتی کہ اُس کا کوئی اصول علم سے تناقض نہیں ہی جیسا کہ اُس کے ذمہ تہمت لگائی جاتی ہی اس فصل میں ہم وہ سخت ترین مطاعن نقل کرتے ہیں جو یورپ کے مشاہیر علما نے مذاہب کی نسبت عائد کئے ہیں۔ تاکہ ہمارے ناظرین کو اہل یورپ کے علمی خیالات کا رجحان معلوم ہوجائے اس کے بعد ہم اسلام کے اصول بیان کرینگے تاکہ محقق طور پر ثابت ہوجائے کہ اسلام انسانی نفوس کی انتہائی تمنا ہے۔

ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ میسیو کونستان نے تمام مذاہب کی نسبت زوال کی پیشینگوئی کی ہے۔ اب ہم صرف اسقدر کہنا چاہتے ہیں کہ اُس نے اپنے دعویٰ کو فلسفی طور پر

ثابت کیا ہے - وہ لکھتا ہے کہ " ہر ایک قاعدہ خواہ وہ موجودہ حالت میں کتنا ہی مفید ہو تاہم یہ امر ضروری ہے کہ اُسکے ساتھ کوئی نہ کوئی شاخ ایسی ضرور لگی ہوگی جو آئندہ زمانہ میں ترقی میں سدِّ راہ ہوگی کیونکہ وہ قاعدہ ایک عرصہ کے بعد ایک ساکن شکل اختیار کرلیگا جسکا اتباع انسانی عقل کے لیے اپنے اکتشافات میں جن کی روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے ناممکن ہوگا - اور جب ایسا ہوگا تو اُس منجمد قاعدہ کا مذہبی احترام دلوں سے مفقود ہوجائیگا اور ایسے اصول و قواعد کی تلاش ہوگی جو ان جدید ترقیات اور اکتشافات کے منافی نہیں ہیں "

علماے یورپ نے نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ انسان کا مطالعہ کیا ہے اور اُنہوں نے وہ طریقہ دریافت کرلیا ہے جسپر انسان کو سعادت و فلاح حاصل کرنے کی غرض سے چلنا ضروری ہے - اُنکو معلوم ہوا ہے کہ انسان صرف اُسیوقت اپنا وہ اہم فرض ادا کرسکتا ہے - جسکے واسطے قدرت نے اُسکو پیدا کیا ہے جبکہ وہ اپنی اُن تمام خصوصیتوں اور قوتوں کو جو خدا نے اُسکو عطا فرمائی ہیں، کام میں لائے اور اپنی کسی فطری خصلت اور رغبت کو قتل نہ کرے - اسکے بعد اُنہوں نے گذشتہ زمانہ پر نظر کی، انکو معلوم ہوا کہ جس چیز نے انسان کو اُس رفیع ترین مقام پر پہونچنے سے باز رکھا ہے جو قدرت نے اسکے لیے مہیّا کیا ہے وہ ان لوگوں کے احکام کی فرمانبرداری ہے جو روحانی رؤسا اور مذہبی پیشرو ہونے کے مدعی تھے - علماے یوروپ نے ان لوگوںپر سخت طعن و تشنیع کی ہے اور ان کی تعلیمات کو انسانی تنزل کا موجب ٹھیرایا ہے - اس سلسلہ میں علامہ ویرلیش نے مذہب کی نسبت تمسخر کے لہجہ میں لکھا ہے کہ " مذہبی فضیلت اور بالخصوص اعلیٰ درجہ کی فضیلت جو اولیا ءاللہ کے ساتھ مختص ہے یہ ہے کہ تم سیاسی اور تمدنی زندگی کو خیرباد کہو اور تمام دنیوی کاروبار کو مثل ایک لغو اور باطل چیز کے ترک کردو تاکہ تمہارے لیے

یہ امر ممکن ہو کہ تم رنج و غم اور شکستہ دلی کے ساتھ جنت کے انتظار میں سو کہتے رہو اور اپنی تمام طبعی خصلتوں اور رغبتوں کو قتل کر ڈالو اور اپنے نفس کو مٹا دو" علمائے یورپ کی رائے ہی (جس کی حسی دلیل انکے سامنے موجود ہی) کہ انسان کی ترقی علم کی ترقی اور اُسکے نشو و نما پر منحصر ہے۔ اور علم کی ترقی اور اُسکا نشو و نما اسباب پر موقوف ہے کہ عقل کو اُس کی قیود سے آزاد کیا جائے اور علمی مباحث کے لیئے کسی قسم کی کوئی مزاحمت اور روک ٹوک باقی نہ رہے تاکہ اس مزاحمت سے وہ بدترین نتائج پیدا نہوں جو قدیم زمانوں میں علمی اور مذہبی گروہوں کے باہمی جدال و قتال سے پیدا ہوئے تھے۔ میبولبلاک (Blachmarx .) کہتا ہے کہ قوت فکری کی ترقی اور کائنات کی چیزوں کی نسبت صحت کے ساتھ حکم لگانا علم کی نشو و نما پر منحصر ہے۔ ہم اپنی معلومات کی ترقی اور اشیاء کی نسبت نہایت تدقیق کے غور و فکر کرنے کے ذریعے سے ایسے نتائج پر پہونچے ہیں جنہوں نے ہماری اکثر سابقہ گمراہیوں کو مٹا دیا ہی۔

علمائے یورپ کا اعتقاد ہے کہ عقل اور علم کی آزادی پر انسان کی مادی اور ادبی سعادت و فلاح کا انحصار ہی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب قدیم زمانہ کی تاریخ لکھتے ہیں تو بیحد غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں۔ اسکے متعلق علامہ لاروس کے اقوال میں سے ہم ایک چھوٹا سا ٹکڑہ نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہی کہ جب ہم کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہی کہ ہم معقول چیزوں کا اعتقاد رکھیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، پھر وہ انسانی عقل کے مطیع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو عدل و ظلم اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرنیکا دعوی کرتی ہی۔ اور چونکہ وہ عقل اور بصیرت کو اسقدر اندھا کردیتے ہیں کہ کرامات اور خوارق عادات اسکو بالکل معمولی اور عادی امور معلوم ہوتے ہیں اور وہ سفید کو سیاہ اور بدی کو نیکی سمجھنے لگتی ہی تو مذہب

آکر کہتا ہے کہ اطاعت کرو کس کی اطاعت کریں؟ آیا عقل کی اطاعت کریں؟ اپنے نیچرل فرائض کی؟ دلی احساسات کی؟ حقیقی قوانین فطرت کی جو انسان کے لیے مفید ہیں؟ ہرگز نہیں مگر تم اندھے بنکر اُس شخص کی اطاعت کرو جو خدا کے نام سے حکم دیتا ہے اگرچہ وہ بادشاہ کے قتل کرنے یا باپ کے مار ڈالنے کا حکم دے یا ایک قتل عام برپا کرنے پر آمادہ کرے۔ کیونکہ تجھہ میں نہ روح ہے اور نہ ضمیر۔ بلکہ تو خدا میں فنا ہوچکا ہے"

موجودہ مذاہب کی نسبت علماے یورپ کی مخالفت اور عداوت اس درجہ تک پہونچگئی ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ انہوں نے دین کو اس خیال سے بالکل چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے علوم وفنون کے باعث انسان اور کائنات کے پیدا کرنیوالے کے سامنے گردن جھکانے سے بالکل مستغنی ہوگئے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اہل مذاہب کے ساتھہ اس امر کا اقرار کرتے اور علمی مباحث سے استدلال کرکے اُسکو ثابت کرتے ہیں کہ مذہبی احساس نفس انسانی میں ایک فطری اور خلقی امر ہے جو اپنی وضاحت اور تاثیر کے لحاظ سے اُس احساس سے ہرگز کم نہیں ہے جو انسان کو غذا کی ضرورت کا ہوتا ہے۔ علامہ جیزلر (. Jeesler) جو جرمن کا ایک مشہور فلاسفر ہے اپنی کتاب تاریخ الاعتقادات میں لکھتا ہے کہ "مذہب مثل اُس احساس جسکا وہ نتیجہ ہے ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ مگر مذہبی علوم مثل دیگر علوم وفنون کے ہیں جو رفتہ رفتہ اُسقدر ترقی کرتے جاتے ہیں، جسقدر کہ انسانی عقل ترقی کرتی ہے۔ اور ایسا ہی تعلق ہمیشہ حقوق اور علم قوانین کے درمیان موجود رہتا ہے۔ حقوق تغیر تبدیل نہیں ہوتا مگر علم قانون میں ہمیشہ تغیر ہوتا رہتا ہے اور اُس کی اصلاح ہوتی جاتی ہے۔

مسیو ارنسٹ رینان (. M. Earnest Renan) اپنی

کتاب تاریخ الادیان میں لکھتا ہی کہ ممکن ہی کہ وہ تمام چیزیں جنسے ہمکو محبت ہی اور جنپر ہماری زندگی اور ہمارا عیش وآرام منحصر ہے معدوم ہوجائیں اور یہ بھی ممکن ہی کہ عقل کی آزادی اور علم ومعرفت کی آزادی باطل ہو جاے۔ لیکن یہ امر محض ناممکن ہی کہ تدین جو انسان کی فطری خصلت ہی دنیا سے معدوم ہوجاے۔ بلکہ وہ ابد الآباد تک باقی رہیگی اور مادی مذہب کے بطلان پر ایک ناطق دلیل ہو گی جو انسانی فکر کو جسمانی زندگی کی شرمناک تنگیوں میں محصور رکھنا چاہتا ہے "

غرضکہ مستند علماے یورپ کے ایک گروہ کثیر کا اس بات پر اتفاق ہی کہ انسان کے نفس سے تدین کی فطری خصلت کا زائل ہونا ایسا ہی محال ہی جیسا کہ الفت اور نفرت کی خصلت کا زائل ہونا۔ لیکن تاہم یہ بھی انکے نزدیک ثابت ہو چکا ہی کہ موجودہ مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ہی جو موجودہ اور آیندہ تمام انسانی گروہوں کا عام مذہب ہونیکی صلاحیت رکھتا ہو کیونکہ انکے خیال کے مطابق ان تمام مذاہب کے اصول علمی قواعد پر منطبق نہیں ہیں۔ بلکہ اکثر مذہبی نصوص عقلی بدیہیات کے برخلاف ہیں اور انسنے اکثر امور کو ایسے طور پر مقید کیا ہے جو انسانی خیالات اور ادراکات کی موجودہ آزادی کے منافی ہیں۔ اسیوجہ سے یورپ کا ایک فلاسفر کہتا ہی کہ " مذہب دنیا سے نیست ونابود ہونیوالا نہیں ہی اگر اُسکے اصول وقواعد حدود اور قیود سے آزاد ہوں، جیساکہ انسان کو غیر متناہی مدارج تک ترقی کرنیکی آزادی حاصل ہی " اور نیز اسیوجہ سے بعض علماے یورپ کا قول ہی کہ " موجودہ مذاہب میں سے اگر کوئی مذہب اُس دینی احساس میں جو انسان کی جبلت میں فطری طور پر راسخ ہی اور زندگی کے مطالب اور فرائض میں اتفاق اور ائتلاف پیدا کرسکتا ہے اور اُس مقام تک ہمارا ساتھ دیسکتا ہے جہانتک ہمکو علمی مباحث نے پہونچایا ہی تو ہمکو قطعی طور پر اُسکا اعتراف کرنا لازم آتا ہے " لاردس مذہبی نظامات کی نسبت طعن کرنے کے بعد لکھتا ہے

کہ "جو چیز انسان کو اپنے فرائض کے ادا کرنے پر آمادہ کرتی ہو وہ مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ عام خیال اور قوت طبیعت اور نیز وہ احساسات ہیں جنکی نشوو نما سوسائٹی اور خاندان کے درمیان ہوتی ہے۔ جسقدر کہ معلومات اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اُسیقدر یہ عام خیال بھی اپنی موجودہ سطح سے اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اگر آپ مذہب کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ ایسے عمدہ خیالات کا مجموعہ ہے جو تمام انسانی افراد کو ایک ایسی سوسائٹی میں مربوط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جسکی افراد مادی فوائد سے متمتع اور روشن خیال ہوں، تو بیشک اس صورت میں آپ کا یہ قول بالکل صحیح ہوگا کہ مذہب نوع انسان کے لیے ایک ضروری اور لابدی چیز ہے"

یہ امر کہ انسانی عقل خواہ ترقی کے کسی درجہ پر پہونچ جائے مگر وہ بغیر مذہب کے زندہ نہیں رہ سکتی، اس کی محسوس دلیل یہ ہے کہ علمائے یورپ کے ایک جم غفیر نے ایک مذہب تصنیف کیا ہے جسکا نام اُنہوں نے "مذہب طبعی" رکھا ہے۔ اس جدید مذہب کے لیے اصول و قواعد مقرر کیے گئے ہیں جو حقیقی براہین اور حسی اور عیانی دلائل سے ثابت ہو چکے ہیں۔ آگے چلکر جہاں ہم اسلام کے اصول کی نسبت گفتگو کرینگے وہاں اس جدید مذہب کے اہم اصول بھی نقل کرینگے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ انکے مذہب میں کسی قسم کی بحث و گفتگو کی بالکل گنجایش نہیں ہے۔

"افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوات والارض طوعًا وکرھا والیہ یرجعون"	"کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوائے (کسی اور دین) کے تلاش میں ہیں حالانکہ جو (فرشتے) آسمانوں (میں ہیں) اور (جو لوگ) زمین میں ہیں چارو ناچار اسکے حکم بردار ہیں اور اُسکی طرف سب کو لوٹکر جانا ہے۔"

ما ہوالاسلام

اسلام کیا چیز ہے

کونسا بلیغ ہے جو اسلام کی نسبت لکھنا چاہے اور اس مقصد اعلیٰ کو پورے طور پر بیان کرنے سے قاصر ہونیکا اقرار نہ کرے۔

اور کونسا حکیم ہے جو اس مذہب کے حقائق و دقائق اور اسکی عجیب و غریب حکمتونکی تفصیل کرنا چاہے اور اُسکو اپنے عجز و قصور کا اعتراف نہ کرنا پڑے۔

"ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ" اور زمین میں جسقدر درخت ہیں اگر (اُن سب کے) قلم ہوں اور سمندر کی (سیاہی) اور وہ یہی اسطرح پر کہ اُسکے (ہو چکنے) پیچھے (ایسے ہی) سات سمندر (اور) اسکی مدد کریں (غرض ان تمام قلموں اور ان سیاہیوں سے خدا کی باتیں لکھی جاویں تو بھی) تو خدا کی باتیں تمام نہوں"

کسقدر عمیق علم اور بلند طبیعت اور وسیع معلومات کے ساتھ انسان کو متصف ہونا ضروری ہے تاکہ ان ازلی و ابدی نوامیس کا سمجھنا اور سمجھانا ممکن ہو جنپر صدیاں کی صدیاں اور قرن کے قرن گذرتے چلے جاتے ہیں اور وہ اپنی پہلی ہی حالت پر قائم ہیں۔ جسقدر زمانہ گذرتا جاتا ہے، اُنکی رونق شباب بڑھتی جاتی ہے اور ہر قرن جدت کے ایک زریں چادر اُنپر اضافہ کر دیتا ہے، اُنکی ماہیت اور حقیقت کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کی بصیرت کو خداوند تعالیٰ نور عرفان سے روشن کرتا اور جنکے آسمان فکر پر آفتاب علم پرتو افگن ہوتا ہے۔

"وتلک الامثال نضربھا للناس" اور ہم یہ چند مثالیں لوگونکے (سمجھانیکے لیے) بیاں

وما یعقلہا الا العالمون " فرماتے ہیں اور سمجھدار ہی انکو سمجھتے ہیں "
میں نہایت آزادی استقلال کے ساتھ کہتا ہوں اور علم و عقل دونوں میرے
دعوے کی تائید کرتے ہیں کہ اسلام ہی وہ اعلی ترین کمال ہے جسپر ترقی کرنیکے لیے
انسان پیدا کیا گیا ہے اور جو انسان ترقی کے مراتب میں انتہائی مرتبہ ہے۔ اور
جس کی تلاش اور جستجو کی رغبت انسان کی فطرت میں خلقی طور پر رکھی گئی ہے۔ بلکہ اسلام
ہی انسانی نفس کی انتہائی تمنا ہے جسکی تلاش و جستجو کی طرف اسکو ایک ایسا فطری میلان
ہے جو نہایت عظیم الشان غرض و غایت اور رفیع ترین نقطۂ کمال کی طرف ہوسکتا ہے
اور وہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں اس عزیز الوجود اور نادر المثال چیز کی تلاش میں (جسکے
حصول سے ہر غم سے راحت اور تمام امیدوں اور خواہشوں میں قناعت میسر ہو جاتی
ہے) کوشش کرتا رہا ہے۔
غرض اسلام ہی وہ انتہائے کمال ہے جسکی جستجو میں بڑے بڑے حکما چل بسے
اور جس کی حقیقت کے دریافت کرنے میں علمانے اپنی عزیز عمریں صاف کر دی ہیں
اسلام ہی وہ قانون محکم اور ناموس اعظم ہے جو اللہ تعالے نے اپنے فضل و کرم سے
اس نوع ضعیف (انسان) کو عطا فرمایا ہے تاکہ اسکے ذریعے سے انسان کی دینی اور
دنیوی دونوں حالتیں درست ہو کر سعادت دارین حاصل ہو اور ہر قسم کی مصائب
اور شدائد میں انسان اسپر بھروسہ اور اسی کی طرف رجوع کرے۔ خداوند تعالیٰ
نے نوع انسان کو یہ دین جو زمانہ کا سرتاج اور تمام ادیان سابقہ کا ختم کرنیوالا
ہے اس وقت عطا فرمایا جبکہ اس میں عقل کا نشو و نما درجۂ تکمیل کو پہونچ چکا تھا۔ تاکہ وہ
خدا کی طرف سے اسکے بندوں پر حجت ہو۔ جو عدل اور حق کو ظاہر کرنیوالی ہو اور ہمکو
ہدایت کی شاہراہ کی طرف رہنمائی کرنیوالی ہو۔ اور تاکہ انسان کو عقل کی تکمیل
کے بعد نہ اس سے انکار کرنیکا کوئی حیلہ اور نہ اس کی تردید کرنیکی طاقت باقی رہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہی جسکے علوم طبعی نے (بشیر اس بات تک کہ علماے طبعیات کو اسکا علم ہو) خدمت کی ہی۔ حتی کہ موجودہ صدی میں مذہب اسلام کے نصوص آفتاب سے زیادہ روشن اور واضح ہوگئی ہیں اور جسطرح سورج کی کرنیں پانی میں سرایت کرجاتی ہیں اس سے زیادہ آسانی کے ساتھ وہ نصوص عقل میں نفوذ کرجاتی ہیں۔ کوئی قاعدہ جو تجربوں سے ثابت ہوا ہو اور کوئی نظریہ جو حواس کی مدد سے ثابت ہوا ہو ایسا نہیں پایا جاتا جو انسانی تہذیب اور شائستگی کی ترقی میں موثر ہو اور وہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کی صدای بازگشت نہو۔ حتیٰ کہ دیکھنے والیکو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ علماے روے زمین کی طرف سے جسقدر کوشش اور سرگرمی انسانیت کی شان کی ترقی دینے میں ظاہر ہورہی ہی اُسکا مقصود صرف یہی ہی کہ مذہب اسلام کی قواعد کی صحت اور صداقت پر دلائل قائم کیے جائیں۔

"سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربك انه علی کل شئی شهید"

"عنقریب ہم اُن لوگونکو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے) اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور اُنکے آپکے درمیان میں (بھی)، یہانتک کہ اُنپر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہی (اے پیغمبر) کیا (تمہاری تسلی کو) یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد حال ہی۔"

بیانات گذشتہ بیان کا نتیجہ یہ ہی کہ کسی وسیلہ دکسی طریقے سے ساتھ اسلام کی سیلون کی روانی کو روکنا ہرگز ممکن نہیں ہی۔ اور جسطرح انسانی شائستگی اور انفسانی ترقیات کو روکنا اور علمی اور عملی مسائل کو جو ابتک دریافت ہوچکے ہیں نیست ونابود کرکے نوع انسانی کو اُس کی ابتدائی وحشت اور جہالت کی طرف واپس لوٹانا

محال ہے بلاشبہ اسی طرح اسلام کو روکنا ناممکن ہے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جسپر تمام انسان
اور جنات بھی قادر نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

"یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ" (یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور اللہ تو اپنے نور کو (کامل طور پر) پھیلا کر رہیگا۔"

اب ہم خدا کی تائید اور اُسکی توفیق پر بھروسہ کر کے اپنا مقصود شروع کرتے ہیں ہمارا دعوی جسکو ہم اس کتاب میں ثابت کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ وہ تمام اصول اور قواعد جو جدید شائستگی کی بنیاد ہیں اُنکو مذہب اسلام کے قواعد کے ساتھ وہی نسبت ہے جو شعاع کو سورج سے اور سمندر کو قطرہ سے ہوتی ہے۔ اسکے ثبوت کا سب سے زیادہ آسان طریقہ یہ ہے کہ اول ہم جدید شائستگی کے اہم اصول لکھتے ہیں اور اسکے بعد نہایت صاف اور واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ وہ منجملہ اسلامی اصول کے ہیں۔

ما ہو الدین؟

دین کیا چیز ہے

دین کا لفظ شامل ہے بہت مصداقوں کے تمام بنی آدم اور تمام انسانی گروہ جانتے ہیں خواہ وہ وحشی اور جاہل ہوں یا مہذب اور شائستہ ہوں تمام واقف ہیں لیکن اس لفظ کا حقیقی مصداق جو آسمانی شریعتوں نے بیان کیا ہے اور جو خالق کی وسیع رحمت اور لازوال عنایت پر پوری طرح منطبق ہے اُنکو معلوم نہیں ہوا۔ جو شخص تاریخ کو بنظر تعمق مطالعہ کریگا اُسکو معلوم ہوگا کہ مختلف قوموں نے اس لفظ کے معنوں کے سمجھنے میں بیشمار رنگ بدلے ہیں جو انسانی عقل کے لیے معقولات کے سمجھنے میں ایک لازمی امر ہے۔

نہایت قدیم زمانے میں مذہب صرف چند عام جلسوں کا مجموعہ خیال کیا جاتا تھا جن میں معبودوں کی رضا جوئی اور اُنکے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے حیوانات یا اسیران جنگ کی قربانی کیجاتی تھی۔ مگر جب انسانی ادراکات کی ترقی اور علوم و فنون کی آبیاری سے عقلی قوت کی نشو و نما ہوئی تو اس لفظ کے معنوں میں بتدریج وضاحت ہونے لگی اور رفتہ رفتہ ان معنوں کے قریب پہونچگیا جیسا کہ آسمانی مذاہب کا حکم ہے۔

قبل اسکے کہ ہم اس امر کی نسبت گفتگو کریں کہ اسلام میں لفظ دین کے کیا معنی مراد ہیں ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ یورپ کے علما اس لفظ سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اور علوم و فنون کے سمندروں کو عبور کرنے اور قوانین قدرت اور نوامیس فطرت کے سراغ لگانے کے بعد اس لفظ کے کیا معنی سمجھتے ہیں تا کہ وہ ہمارے اس نظریہ

(Theory) کی تائید میں ایک محسوس دلیل ہو کہ حقائق کے سمجھنے میں عالم جسقدر ترقی کررہا ہے اسیقدر اسلام سے قریب تر پہنچتا جاتا ہے" یورپ کے علما ان تمام مراحل کے طے کرنیکے بعد جو ان لوگونکو پیش آتے ہیں جو علمی فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں اب اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہیں اور علوم وفنون کا آفتاب نصف النہار پر پہونچ چکا ہے پس انہوں نے دلائل کی بناپر اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس عالم کے لیے ایک خالق ہے جو حکمت اور قدرت والا ہے اور تمام صفات کمال کے ساتھ متصف اور ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے منزہ اور مقدس ہے۔ اُسنے عالم کو ایک خاص نظام کے مطابق پیدا کیا ہے جو شخص اُسکو تدبر کے ساتھ مطالعہ کریگا وہ خالق کی ان اعلےٰ صفات کو عیانی طور پر مشاہدہ کرسکتا ہے اور اس طرح وہ ایسی باتیں سیکھ سکتا ہے جنکے مطابق عمل کرنے سے اُن ہزاروں قواعد اور تعلیمات سے مستغنی ہوجاے جو لوگونکے سامنے بیان کی جاتی ہیں اور وہ بڑے ادب کے ساتھ اُنکو اپنے سر پر رکھتے ہیں۔ لیکن نہ انکی حکمت کو سمجھتے ہیں نہ اُنکے نتائج سے واقف ہوتے ہیں۔ اسکے بعد علماے یورپ نے نظام عالم اور نوامیس فطرت کا استقرار کرکے یہ راے قائم کی کہ صانع عالم اپنی مخلوقات میں سے جسکو اُسنے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے کسی چیز کا محتاج نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اُس کی ذات تمام ماسوی لے سے غنی ہے۔ اسکے بعد وہ اسبات کے قائل ہوے کہ اُسکا مخلوقات سے مستغنی ہونا مخلوقات کے اہتمام وانصرام کرنے سے مانع نہیں ہے، جو اُس کی وسیع رحمت اور عظیم الشان رأفت پر دلالت کرتا ہے۔ کائنات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اس نظریہ کی صداقت عیانی طور پر مشاہدہ کیجاسکتی ہے۔

ادنی سے لیکر اعلی تک مختلف قسم کے نباتات اور حیوانات کی حالت پر غور کرو، خدا کی عظیم الشان رحمت اور رأفت کے آثار عیانی طور پر نظر آئینگے، جو اُس کی محبت پر

انسان کو مجبور کرینگے۔ اُسنے کائنات کو وہ تمام ضروری چیزیں عطا فرمائی ہیں جن سے
وہ اپنی زندگی کی حفاظت کر سکتی اور اپنی تمام تکلیفات اور ناگوار حالتوں کو دور کر سکتی
ہیں۔ اس کلیہ سے صرف وہی صورتیں مستثنیٰ معلوم ہونگی جن کو نظام عالم مقتضی
ہے۔ اور جنکے ہونے میں بحیثیت مجموعی تمام عالم کیلیے اعلیٰ درجہ کی رحمت
اور رافت ہی۔ پس جس خدا کی یہ شان ہی وہ انسان کو لایعنی اور بے نتیجہ عبادت
پر مجبور نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ انسان کو صرف اُسی عبادت کا حکم دیگا جس میں
حکمت بالغہ اور عبادت کرنے والے شخص اور اُس کی نوع اور تمام اجزاے
طبیعت کو عظیم الشان فوائد حاصل ہوں۔ کیونکہ تمام اقسام کائنات پر غور کرنے
سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خالق عالم نے اُنکو اسلیے نہیں پیدا کیا کہ وہ اُن کو
فاسد اور نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ وہ اُنکی اصلاح اور انکا باقی رہنا چاہتا ہے
کیونکہ اُسنے ہر ایک چیز میں اُس حد تک جو اُسکے لیے مقرر ہی ترقی کرنے کی قابلیت
عطا فرمائی ہی۔ چونکہ انسان کائنات کی دیگر چیزوں کی نسبت کسی لحاظ سے کم نہیں
بلکہ وہ خلاصہ کائنات اور اشرف المخلوقات ہی اسلیے وہ درجہ بدرجہ ترقی کے اصول
کا سب سے زیادہ تابع ہوگا اور تدریجی ترقی قبول کرنے کی استعداد اُس میں سب
سے زیادہ ہوگی۔

یہ امر واقعی ہی۔ کیونکہ جو شخص اُس ترقی کی نسبت غور کریگا، جو انسان نے
ابتداے آفرینش سے اسوقت تک کی ہی، تو اُسکو محقق طور پر معلوم ہو جائیگا کہ
خالق عالم نے اُسکو ایسی خصوصیتیں عطا فرمائی ہیں، جن کی وجہ سے اُس کی ترقی
اُس حد تک جاری رہ سکتی ہی، جو انسان کے خیال سے اسوقت تک باہر ہی۔ علماے
یورپ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا کے افعال عبث اور متناقض ہونیکے عیب سے منزہ
ہیں، اسلیے وہ عبادت، جو خدا کو مرغوب ہونی چاہیے وہ اُن قوانین فطرت کے

مطابق ہو، جو کائنات پر مسلط ہیں اور ان رغبات اور احساسات کے مناسب
ہو، جو انسان کی جبلت میں پیدا کیے گئے ہیں۔ ان علمی بدیہیات کی بنا پر جن میں
کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا علماے یورپ کے ایک گروہ کثیر نے اپنا
طبعی مذہب ایجاد کیا ہے۔ اس موضوع میں مشہور فلاسفر چارلس سیموں (Charles
Simon) نے جو اس جدید مذہب کا سرگرم ممبر اور معاون ہے لکھا ہے کہ "ہم اس
زندگی میں وہ فرض ادا کرتے ہیں جو خدا نے اپنی عنایت سے ہمارے لیے قرار دیا ہے
اور جب ہماری زندگی ختم ہو جائیگی تو جزا و سزا اور ثواب و عقاب کا اسکو اختیار ہے
اسکے بعد اُس نے ثواب اور عقاب کے اسباب کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں
وہ لکھتا ہے "جو چیز انسان کے لیے باعث ثواب ہو سکتی ہے وہ اپنی خاص قوتوں
کی اطاعت اور نیک کام کرنا ہے۔ انسان کا خاص قانون یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی
حفاظت کرے اور ان قوتوں کو ترقی دینے کی کوشش کرتا ہے جو اس میں ودیعت
کی گئی ہیں، اپنے بھائیوں سے محبت اور انکی خدمت کرے، خالق کے ساتھ محبت
اور اُس کی عبادت کرے۔ لیکن وہ کیا طریقہ ہے جسکے مطابق انسان کو اپنے
خالق کی عبادت کرنا چاہیئے؟ بیشک فرائض کا ادا کرنا اور نیک کام عین عبادت
ہے۔ اور محبت اور اخلاص عین نماز ہے۔ اپنے وطن کی اخلاص کے ساتھ خدمت کرنا
خدا کی عبادت ہے۔ ہمارے مذہب کے تمام اصول بالکل واضح ہیں جن میں کسی قسم
کا کوئی ابہام نہیں ہے۔ اُسکے اصول یہ ہیں کہ ایسے خالق کے وجود کا اعتقاد رکھنا جو ہر چیز
پر قادر ہے اور جسکو کوئی چیز متغیر نہیں کر سکتی۔ اُسنے تمام عالم کو پیدا کیا ہے اور عام
اور مطرد قوانین اُسپر مسلط کیے ہیں۔ دنیوی زندگی کے بعد اُخروی زندگی ہوگی جس
میں انسان کو اپنی نیکیوں اور بدیوں کا پورا بدلہ ملیگا۔ یہ ہمارا اعتقاد ہے اور ہماری نماز یہ
ہے کہ ہمارا دل خدا کی محبت اور نیز انسان کی محبت سے لبریز ہو۔ اور فرائض کے ادا

کرنے میں ہمارا ارادہ مستحکم ہو اور بھلائی اور خیر کے کرنے میں ہم خدا کی مرضی کے تابع رہیں"

اس مقام پر ہم صرف اسقدر اور بیان کرتے ہیں کہ اس جدید مذہب کے پیرو جسمانی عبادت کو ناپسند نہیں کرتے جیسا کہ چارلس سیمون کے دیگر اقوال سے معلوم ہوتا ہے مگر وہ ایسی جسمانی عبادت ادا کرنے کے لیے جمع نہیں ہوتے جسمیں کوئی اخلاقی یا روحانی فائدہ ملحوظ نہو۔ انکے نزدیک عبادت ایسی ہونی چاہیئے جس کی کوئی غرض و غایت ہو بلکہ وہ دلوں کے زندہ کرنے اور انکو پاک کرنیکا ذریعہ ہونا چاہیے علامہ کین (Kuhn.) جو ایک مشہور فلاسفر ہے کہتا ہے کہ "خارجی عبادت صرف اسیوقت ناپسندیدہ ہوتی ہے جبکہ وہ مقصود بالذات ہو۔ لیکن اگر وہ انسانی نفس کے شریفانہ احساسات کو بیدار کرنے اور انکو تقویت دینے کا ذریعہ ہو تو اس کے مفید ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا"

ان تمام مذکورہ بالا اقوال سے ہم چار اہم امور انتخاب کرتے ہیں۔ (۱) اول اس امر کا اعتقاد رکھنا کہ خدا ہم سے اور ہمارے اعمال سے مستغنی ہے۔ ہم جسقدر نیک کام کرتے ہیں ان میں خالص ہماری منفعت ہے۔ (۲) خدا انسان پر رحیم اور اُس کی صلاح و فلاح کا خواستگار ہے اور اسکو عبادت کی تکلیف صرف اسی کے فائدے کی غرض سے دیتا ہے (۳) عبادت زندگی کے اصول فطرت پر منطبق اور انسانی طبیعت کے موافق ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ وہ انسانی طبیعت کے خلاف اور اُس کی بربادی کا باعث ہو (۴) جسمانی عبادت نفس کے پاک کرنیکا ذریعہ ہونا چاہیئے نہ یہ کہ وہ مقصود بالذات ہو۔

یہ چاروں امور ایسے ہیں جن تک انسانی عقل کی رسائی اُسوقت ہوئی ہے جبکہ کرۂ زمین پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں اور جبکہ انیسویں صدی کے

علما فخر کرتے ہیں مگر وہ مذہب اسلام کے آفتاب کی ایک شعاع اور اسکے بحر زخار کا ایک قطرہ ہے۔ مزید توضیح کی غرض سے ہم وہ نصوص ترتیب نقل کرتے ہیں جو ان جال پر امور پر منطبق ہیں۔

(۱) خدا فرماتا ہے۔

"ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه ان الله لغني عن العالمين"

"جو کوشش کرتا ہے صرف اپنے نفس کے لیے کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمام عالم سے مستغنی ہے"

(۲) خدا نے فرمایا ہے۔

"يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر"۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی کا ارادہ نہیں رکھتا"

اور فرمایا ہے

"ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون"

"اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ مشکل رکھے، مگر یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنا پورا احسان کرے شاید تم شکر کرو"

(۳) خدا نے فرمایا ہے۔

"لا يكلف الله نفسا الا وسعها"

"اللہ تعالےٰ کسیکو اسکی قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

اور فرمایا ہے

"ولو انا كتبنا عليهم ان اقتلوا انفسكم او اخرجوا من دياركم ما فعلوه الا قليل منهم"

"اور اگر ہم انکو حکم دیتے کہ اپنی جانوں کو ہلاک کردیا اپنے گھروں میں سے نکل جاؤ، تو بہت کم تھے جو ایسا کرتے"

اور فرمایا ہے۔

"یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا" "خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے"

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

"من لم تنہ صلاتہ عن الفحشا والمنکر لم یزدد من اللہ الا بعدا" "جس کی نماز فحش اور برائیوں سے نہ روکے وہ خدا سے بعد ہی بڑھاتی ہے"

اور نیز فرمایا ہے۔

"کم من صائم لیس لہ من صیامہ الا الجوع والعطش" "بہت روزہ رکھنے والے ہیں کہ انکو روزہ سے بجز بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا"

مذہب کے سمجھنے میں ہمارا یہی عقیدہ ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ عقیدہ علم وعقل کے ساتھ بالکل مطابق اور قوانین فطرت کے ساتھ پوری طرح موافق ہے۔ چونکہ علماے یورپ کے مطاعن اکثر مذاہب کی نسبت صرف انہیں بنیادی اصول پر وارد ہوتے ہیں اسلیے ہم کو حق حاصل ہے کہ ہم پکار کر اعلان کردیں کہ اسلام کی شان اس سے نہایت ارفع و اعلیٰ ہے کہ علماء کا کوئی طعن اُس کی طرف عائد ہوسکے۔

ان چاروں امور کو اس جدید مذہب کے علما اُن تمام قواعد کے بنیادی اصول خیال کرتے ہیں جنپر عمل کرنے سے نوع انسان کی ترقی اُس حدتک ہوسکتی ہے جو اسکے لیے قدرت نے قرار دی ہے۔ چونکہ ان قاعدوں کے انکشاف کا دارومدار صرف علم پر ہے اسلیے وہ ایسے ہر ایک قاعدے کو مثل مذہبی قواعد کے شمار کرتے ہیں جسپر عمل کرنا خدا کی عبادت اور اُس کی رضامندی کا موجب ہے۔

اس طبعی مذہب کے پیرو اُن قدیم مذہبی روایات اور حکایات کو بالکل تسلیم نہیں کرتے جن کو ہزاروں برس گذر چکے ہیں۔ علامہ کن کہتا ہے کہ "سچا مذہب

صرف ایسے قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن کی صداقت اور ضرورت پر ہمارا ذاتی شعور شہادت دیتا ہے اور نیز وہ قدیم مذہبی روایات اور خرافات اور کاہنوں کی تعلیمات سے پاک ہوتے ہیں۔ گویا کہ علامہ موصوف مسلمانوں کو قرآن مجید کی یہ آیت یاد دلاتا ہے۔

"تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔"

"یہ گروہ گذر گیا اسکے لیے وہ تھے جو اسنے حاصل کیا اور تمہارے لیے وہی جو تم حاصل کرو۔ اور تم سے سوال نہیں کیا جاویگا کہ وہ کیا کرتے تھے"

الناموس الاعظم للمدنیۃ

تمدن کا اصول

جو شخص قوموں کی مفصل تاریخ، پر جس میں انکے پیدا ہونے سے آجتک کے واقعات درج ہیں تدبر کے ساتھ غور کریگا۔ اسکو ایسے ہیبت ناک اور درد انگیز حادثات نظر آئینگے جنسے انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اسکو بیشمار خونریز لڑائیاں، تمدنی ہفت ونساد، خاندانی مصائب اور اخلاقی مفاسد معلوم ہونگے۔

بعض اشخاص اسکو ایسے نظر آئینگے جنکو اتفاقات وقت سے محض خیالی اور وہمی رفعت اور برتری حاصل ہوگئی ہے اور انہوں نے دوسرے بندگان خدا کو اپنا غلام بنا لیا ہے اور اپنے حرص وطمع کے دوزخ شکم کو پُر کرنے کے لیے ان غریبوں کا خون چوس رہے ہیں۔ غرضکہ اسیطرح انسان کی تاریخ ناگوار کدورتوں اور مصائب و آلام سے بھری ہوئی نظر آئیگی، جو تمہارے دل میں نوع انسانی کی طرف سے سخت کراہیت پیدا کریگی۔ لیکن اگر تم اپنی نظر کو ان دردناک مصائب و آلام کی سطح سے کسیقدر اونچا کروگے اور نوع انسان کو دوسرے پہلو سے دیکھوگے تو تمکو معلوم ہوگا کہ یہ تمام حادثات اور واقعات ایک ایسے عظیم الشان اور مستحکم قانون قدرت کے گرد گردش کر رہے ہیں جو نوع انسان کو ان کڑی منزلوں اور سر توڑ گھاٹیوں سے نکالکر ترقی کی بلندی پر لیجا رہا ہے۔ اسکے بعد اگر تم اپنی نظر کو کسیقدر اونچا کروگے تو تمکو محقق طور پر ثابت ہو جائیگا کہ یہ تمام حادثات دوسرے درجے کے قوانین ہیں جو اُس عظیم الشان قانون کے تابع ہیں جو اولاً تمہاری

نظر سے گذرا تھا اور نیز اسکے افعال و آثار ہیں جو عالم پر اپنا اثر ڈالتے اور اسکے اجزا کو ایک دوسرے کیساتھ ٹکراتے ہیں تاکہ ان ہی سے کہیں اخلاق کی خباثت اور اوہام کی نجاست دفع ہو۔ ممکن ہے کہ استقرا کی تھوڑی سی تکلیف گوارا کرنے سے تمکو ہمارے بیان کی صداقت معلوم ہو جائے۔ کیونکہ اگر تم کسی اہم حادثہ کی نسبت غور کروگے جو کسی تاریخی زمانہ میں نوع انسان پر نازل ہوا ہو تو تمکو فوراً معلوم ہوجائیگا کہ اس سے اسقدر فائدہ حاصل ہوا ہے جسکے مقابلہ میں اُس کی مصیبتیں اور تکالیف ہیچ ہیں۔

اس مختصر کتاب میں ہم تاریخی واقعات اور انکے نتائج سے بحث نہیں کرسکتے کہ انھوں نے کسطرح انسان کو وحشت اور جہالت کی تاریکی سے نکالکر تہذیب اور شائستگی کی روشنی میں پہونچایا ہے۔ کیونکہ یہ امر موجب تطویل ہوگا۔ مگر ہم اس تمدنی جہاد کے اصل واصول کی نسبت بالاجمال گفتگو کرتے ہیں۔ تاکہ ہماری اس بحث میں آسانی ہو اور تمدنی اہم مسائل ہماری آنکھوں کے سامنے روشن ہوجائیں اور حقائق مجسم ہوکر ہمارے سامنے آجائیں اور تطبیق زیادہ تر قابل اطمینان ہو۔

اس میں شک نہیں کہ شخصی زندگی کے قائم رکھنے والی چیزوں کے بعد جس اشد ضرورت کا شعور انسان کو ہوتا ہے وہ نوع انسان کے گروہ جمع ہوکر رہنے کی ضرورت ہے۔ انسان ذاتی طور پر بالکل آزاد ہے اور کوئی چیز اُسکو مقید نہیں کرسکتی۔ اور دوسری حیثیت سے وہ اسقدر ضعیف اور عاجز ہے کہ اُسکو اپنی زندگی کی حفاظت کرنے کی غرض سے اس آزادی کا ایک حصہ قربان کرنا پڑتا ہے۔ اسیوجہ سے علماے تمدن کا اتفاق ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے برخلاف اجتماع کے لیے مجبور ہے کیونکہ اس کی بغیر انسان کے زندگی ناممکن ہے اور وہ اُس سے کسیوقت بھی مستغنی نہیں ہوسکتا۔

وہ آزادی جسکا شعور انسان اپنے نفس میں پاتا ہے اور وہ احتیاج جو اسکو
اپنے ہی نوع کی طرف ہے، انہیں دونوں چیزوں کے باہمی فعل و انفعال سے وہ تمام
فتنے اور جدال و قتال برپا ہوئے ہیں جو تواریخ و سیر سے ہمکو معلوم ہوتے ہیں۔ اور
نیز نوع انسان کے افراد میں اپنی فطری تمنا کے حاصل کرنے کی غرض سے جو
باہمی کسر و انکسار ہو رہا ہے اُس کی بنیاد بھی یہی ہے۔ پس تمام تاریخی حادثات جو تمام
قوموں میں واقع ہوئے ہیں معتدل آزادی کی تحدید پر جو نوع انسان کے مرتبہ
کے لائق ہو اور اس تسلط کی تحدید پر جو انسانی اجتماع کے مناسب ہو، مبنی ہیں۔
اور اسوقت تک نوع انسان میں ان دونوں قاعدوں کے بیچ میں حد فاصل دریافت
کرنے کی غرض سے سخت ہولناک مدافعت اور مخاصمت کا سلسلہ جاری ہے۔ مگر
اخیر کی دو صدیوں کو بہ نسبت قرون سابقہ کے یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اُن قیمتی
جانوں کی بدولت جو یورپ کے عاشقان آزادی نے قربان کی ہیں یہ حد معتدل
نہایت قریب آگئی ہے جس کی نظیر گذشتہ صدیوں میں ہرگز نہیں ملسکتی۔ علمائے تمدن
کا قول ہے کہ "وہ آزادی جو اس اخیر صدی میں یوروپین قوموں کو حاصل ہوئی ہے
وہ اُن تمام ترقیوں اور کامیابیوں کا باعث ہے جنکے آثار ہم یوروپین ممالک میں دیکھ
رہے ہیں۔

وہ کونسی آزادی ہے جسکے حاصل کرنے کی غرض سے یورپ نے نہایت جانبازی
کے ساتھ جہاد کیا ہے اور اپنی قیمتی جانیں نثار کی ہیں؟ کیا یہ آزادی ہم سے اسقدر
دور ہے جسقدر زمین آسمان سے یا یورپ کی چستی مشرق کی سستی سے؟ ہرگز
نہیں بلکہ وہ ہمارے سامنے موجود ہے مگر ہم اُس سے غافل ہیں۔ بیشک وہ ہمارے
سامنے موجود ہے اور اگر ہم چاہیں تو نہایت امن و اطمینان کے ساتھ اسپر عمل کرسکتے
ہیں۔ اس کی تائید میں نہ ہمکو جان نثاری کی ضرورت نہ تکلیفات برداشت کرنیکی

حاجت ہی۔ بلکہ وہ آزادی ہمارے دلوں میں محفوظ ہی اور سوائے اُسکی حقیقت پر غور کرنے اور سمجھنے کے ہمکو کسی تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم اُسپر غور کرنیکی تکلیف گوارا کریں تو ہم بہت تہوڑے عرصے میں مغرب کے لگ بہگ پہونچ سکتے ہیں۔ بیشک وہ اُسوقت ہماری فوری ترقی کو دیکھکر حیران رہجائینگے جیساکہ روم اور ایران کی سلطنتیں اُس انقلاب کو دیکھکر حیران ہوگئی تہیں جو عرب میں چند سال کے عرصہ میں آغاز اسلام کے وقت ہوا تہا۔

وہ کونسی آزادی ہی جسکی نسبت بیبیودیو کہتا ہی کہ "آزادی دنیا کی ہر قسم کی سعادت و فلاح سے افضل ہی" اور جسکی نسبت بیبیو پاچے کہتا ہے کہ "آزادی ہر ایک انسانی ترقی کی اصل اصول ہی" اور جس کی تعریف میں دیکرٹ ہسیگو لکہتا ہے کہ آزادی ایک ایسی ہوا ہی جو نفس انسانی کی زندگی کے لیے ایک ضروری چیز ہے"

کیا اس آزادی سے یہ مراد ہے کہ انسان تمام قیود اور ہر قسم کے روابط سے آزاد ہو کر محض بے قید اور مطلق العنان ہو جائے؟ یہ آزادی حیوانات ہی کو مبارک رہے، ہم اُنکی اس حالت پر حسد نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ آزادی جسکے اشتیاق میں تمام قوموں کے فلاسفر بے چین ہیں وہ معتدل آزادی ہی، جس کی بدولت انسان اپنی تمام قوتوں کو جو قدرت نے اُسکو عطا کی ہی بلا روک ٹوک اور بلا خوف و مزاحمت کے استعمال کر سکے۔ بشرطیکہ وہ ان حدود سے متجاوز نہو جو عادلانہ قوانین نے قرار دی ہیں۔ کیونکہ ان حدود سے تجاوز کرنا قوم کے دیگر افراد کو مُضر ہوگا۔

یہی وہ آزادی ہی جس کی تلاش اور جستجو میں عقلاء ہزاروں برسوں سے سر گرمی کے ساتہہ جہاد میں مصروف ہیں۔ اگرچہ بہ نسبت قدیم زمانہ کے اسوقت جہاد کی شکلوں اور صورتوں میں تغیر واقع ہو گیا ہی۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں تلوار اور نیزہ کی باتیں قول فیصل سمجھی جاتی تہیں قبل اسکے کہ ہم اُسکو اسلامی قواعد کے ساتہہ تطبیق

دینے کی غرض سے آزادی کی نسبت بحث و گفتگو کریں ہمکو اس جہاد کی نسبت
بالاجمال گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اس مقصد کے حاصل کرنیکی غرض
سے نوع انسان ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک کر رہی ہے۔ تاکہ ہمکو اس مسئلہ
کی تفصیلات پر اول سے آخر تک واقفیت حاصل ہو اور ہم ان بنیادی اصول
کے ساتھ جنپر مہذب اور شائستہ قوموں کی آزادی کا دارومدار ہے استدلال کرسکیں

جہادُ الانسان لنوالِ الحریّۃ

آزادی حاصل کرنے کے لیے انسانی جہاد

انسان فطری اور خلقی طور پر آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اُسکو آزادی کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے کسی ہادی اور محرّک کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ انسان میں آزادی کا احساس منجملہ ان احساسات کے ہے جن کی سخت تاثیر خود بخود انسان پر پڑتی ہے یہ امر دیگر ہے کہ کسی شخص کا وجدان اوہام اور خرافات یا دیگر اسباب سے اسقدر زنگ آلود ہو جائے کہ اُسکی جوہر بصیرت کی روشنی بالکل خاموش ہو جائے، جیسا کہ بعض قوموں کی حالت ہو چکی ہے ایسی مستثنیٰ صورتیں خواہ انکی تعداد کتنی ہی ہو ہمارے اصول کلیہ کو نہیں توڑ سکتیں۔ چونکہ مطلقاً آزادی جیسی کہ حیوانات کو حاصل ہے انسان کی اُن خصوصیتوں اور قوتوں کی تاثیرات کو باطل کرنیوالی ہے جن کی نشو ونما اور تکمیل بغیر اجتماع کے ناممکن ہے۔ اسلیے انسان نے ان قوتوں سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے اپنی فطری آزادی کا ایک حصہ قربان کر دینا مناسب خیال کیا اور اسطرح تسلط اور اُسکے لوازمات کی بنیاد قائم ہوئی جو بسااوقات اُسکو حد اعتدال سے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ کیونکہ جو رغبتیں انسان کی جبلت میں ودیعت کی گئی ہیں منجملہ انکے یہ ہے کہ وہ دوسروں پر تسلط اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بعض اشخاص کو اپنی اس خواہش کے پورا کرنیکا مناسب موقع ملا اور اُنہوں نے تمام ممکن وسائل سے اسکے لیے کوششیں کیں۔

چونکہ تسلط حاصل کرنے کے وسائل صرف اُسیوقت کامیاب ہوتے ہیں جبکہ اُنکا رُخ انسان کے اس احساس کی طرف ہوتا ہے جو انسان پر سخت تسلط

رکھتا ہی۔ اسلیے قہروجبروت کے دلدادوں نے دیکھا کہ انسان پر اثر ڈالنے کا سب سے
زیادہ کامیاب طریقہ یہ ہے مذہبی حیثیت سے اسپر اثر ڈالا جائے اور اسی اصول پر
عمل کرنے سے اکثر مذاہب میں تحریف و تبدیل واقع ہوئی اور لوگوں کے دلوں
اور انکی عقلوں کو قابو میں لانے کے لیے مذاہب کے اصلی اصولوں میں اکثر تبدیل
کیا گیا یہ مذہبی دام فریب پھیلانے والے اطمینان کے ساتھ عقل کی نگرانی کرتے
تھے اور جب کبھی وہ اپنی جہالت کی قید سے چھوٹنے کے لیے کسی قدر ترقی کرنا چاہتی
تو اسکے سامنے مذہبی خرافات کا ایک سد سکندری کھڑی کر دیتے تھے جسکو دیکھکر
وہ تھوڑی دیر کے لیے حیران اور مبہوت رہجاتی تھی اور جب وہ اپنے راستہ کی
شاہراہ مسدود دیکھکر یمین و یسار کی طرف حرکت کرتی تھی تو یہ لوگ فوراً اس حرکت
کے کمزور کرنے یا اُسکے انتشار کو روکنے کے درپے ہوجاتے تھے۔ صدیوں تک
یہی حالت رہی۔ مذہبی روسا کا بول بالا اور اُنکا حکم نافذ رہا۔ مگر جب دنیا کے
اصول ترقی کی تاثیر سے عام لوگوں کو مذہبی رُوسا کی غلامی کی قید سے کسیقدر آزادی
حاصل ہوئی تو اسوقت بجائے ایک کے دو تسلط ہوگئے ایک مذہبی اور دوسرا
سیاسی۔ ان دونوں میں جسقدر ہولناک جنگ و جدل واقع ہوے ان کی
تفصیل کے لیے ضخیم جلدیں بھی کافی نہیں ہوسکتیں حتیٰ کہ بعض قوموں کو (جو اس
زمانہ میں ترقی یافتہ ہیں) مذہبی تسلط کی قید سے آزادی نصیب ہوئی اور سیاسی
تسلط کا بار بھی کسیقدر ہلکا ہوا۔ اس سے اُنکو نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ یورپ کے
عُلماء اس عظیم الشان نعمت کی تعریف و توصیف میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں تالیف
کرتے ہیں۔ اور تمام مذاہب پر طعن و تشنیع اور اعتراضات کی بوچھار کررہے ہیں اور
انکے عنقریب فنا و زوال کی پیشینگوئی کرتے ہیں حالانکہ اُنکو یہ بات معلوم نہیں کہ
جو چیز انکو حاصل ہوئی ہے اُسنے انکو اسلام سے قریب تر کردیا ہی جس کی روشنی دنیا

میں اسوقت نمودار ہوئی تھی جبکہ تمام یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ٹکریں کہاتا پھرتا تہا جسوقت مذہب اسلام کی روشنی عالم کو منور کرنے کیلیے نمودار ہوئی اسوقت تمام دنیا دو عظیم الشان سلطنتوں کے تابع تہی ایران اور روم ایران کی حالت اُسوقت یہ تہی کہ اندرونی اور بیرونی خلفشار نے اُس کی بُنیادوں کو متزلزل کرڈالا تہا۔ لیکن دوسری سلطنت کی پہلی عظمت باقی تہی اور دنیا کی قومیں بدستور اُس کی شوکت اور سطوت سے لرز رہی تہیں۔ اُس میں گذشتہ تہذیب و تمدن کا ایک حصہ باقی تہا جس کی نسبت علامہ لاردوس کہتا ہے "رومانیونکے نظامات سلطنت کیا تہے؟ وہ نظامات بالکل وحشت اور سراسر قساوت بھرے قوانین کی صورت میں نافذ تہے۔ روما کے اخلاقی فضائل مثلاً شجاعت اور مکر اور دور اندیشی اور قومی اخلاص وہ بعینہ ایسے تہے جو چوروں اور رہزنوں میں پائے جاتے ہیں۔ اُس کی طبیعت وحشت کا لباس پہنے ہوے تہی، جس میں سوائے حرص و طمع اور اجنبیوں کے ساتھ عداوت اور کینہ کے اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اور انسانی شفقت کے احساس کی بُری نوبت ہو رہی تہی۔ روما کی عظمت اور فضیلت سے مراد وہ افعال ہیں جو بذریعہ تازیانہ اور تلوار کے انجام دیئے جاتے تھے۔ اور اسیران جنگ کو عذاب اور قید کے حکم نافذ ہوتے تھے اور بچوں اور بڈھونکو فتح کی گاڑیاں کھینچنے کی سزا دیجاتی تہی"

علامہ موصوف کا یہ مقولہ ہم نے صرف اس غرض سے نقل کیا ہی تاکہ ناظرین کو معلوم ہوجاے کہ روے زمین کی سب بڑی عظیم الشان قوم میں تمدنی ترقی کی نوبت کہانتک پہونچی تہی۔ تاکہ اُنکو محقق طور پر ثابت ہوجاے کہ مذہب اسلام کے پاک اصول جنکو ہم عنقریب بیان کرینگے کسی قوم سے ماخوذ نہیں ہیں۔ اور ہم صرف اسی پر اکتفا نہیں کرینگے۔ بلکہ اپنے اس دعوی کو خود یورپ کے مستند علماء کے اقوال

سے ثابت کرینگے۔

ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ اس زمانہ میں جو آزادی مہذب قوموں کو حاصل ہے وہی اور جسپر انکی عقلی اور اخلاقی ترقی کا دارومدار ہے۔ اس کی نسبت علماے مغرب اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ وہ اکثر مذاہب کی نصوص کے منافی ہے۔ اور اس بنا پر اُنھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آیندہ زمانہ میں جو نہایت قریب ہے تمام مذاہب زوال پذیر ہونگے اور انسان کو اُس کی سعادت و فلاح کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے علم انکے قائم مقام ہوگا۔ ہم جسی دلائل سے یہ بات ثابت کرینگے کہ مذہب اسلام میں نہ صرف یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس آزادی کا منافی نہیں ہے جسنے یورپ کو وحشت اور جہالت کے گڑھے سے نکالکر شائستگی کی بلندی پر پہنچایا ہے۔ بلکہ وہ ایسی آزادی کی تعلیم دیتا ہے جسکو دُنیا کی موجودہ آزادیوں سے وہی نسبت ہے جو حقیقت کو خیال سے ہوتی ہے۔

جو آزادی اسوقت ہم مہذب دنیا میں دیکھ رہے ہیں وہ تین بسیط آزادیوں سے مرکب ہے جو اُس کی عظیم الشان عمارت کے لیے بمنزلہ تین ستونوں کے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں (۱) نفس کی آزادی (۲) عقل کی آزادی (۳) علم کی آزادی۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کی نسبت بالاجمال گفتگو کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ منجملہ اسلامی اصول کے ہیں۔

نفس کی آزادی

x •x• x

نوع انسان کے مغلوب ومقہور کرنے والوں نے اپنے حصول مقاصد کا جو سب
سے بڑا وسیلہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے انسانی نفوس کو انکے طبعی حقوق اور فطری
خصوصیتوں سے محروم کردیا اور اُن حقوق اور خصوصیتوں کو اپنے خاص تصرف میں رکھا
جس طرف چاہتے تھے انکو پھیر دیتے تھے۔ پس گویا کہ جبراً انہیں بند کرکے اعتقاد
(رکھو) جیسا کہ علامہ لاروس نے لکھا ہے ایک عام [illegible] سمجھا جاتا تھا جو تمام قوموں میں ہر
فرد بشر کے لیے یکساں واجب العمل تھا۔ جس وقت کسی شخص کی نسبت انکو معلوم ہوتا
کہ وہ اس قید سے نجات [illegible] حاصل کرنے کے لیے حرکت کرنا چاہتا ہے تو وہ
فوراً اس کی [illegible] الحاد و ارتداد کا فتویٰ دیکر اسکو آگ میں جلا دیتے یا ایسے
سخت درد و عذاب میں مبتلا کرتے تھے جس سے حیوان کے بھی رونگٹے کھڑے
ہوتے ہیں

لوگوں نے اپنے آپکو نوع انسان کا آقا اور سرپرست قرار دیا تھا اور انہوں نے
بچوں کی تربیت کا بار اپنے ذمہ لیا تھا اور ان سادہ لوحوں کے تخیلات میں ایسے قواعد اور
تعلیمات [illegible] کرتے تھے جنسے وہ جوان ہو کر مثل بے شعور کٹھ پتلیوں کے انکے ہاتھوں
میں [illegible] اور وہ جس طرح چاہیں اپنے کام لیں۔ انکے ذہنوں میں یہ بات نقش کردی
تھی کہ بدی سعادت اور شقاوت ہمارے ارادہ پر موقوف اور ہماری مرضی پر منحصر ہے

"واتبع الحق اھواءھم لفسدت السموات والارض ومن فیھن"

"اور اگر حق انکی خواہش کے مطابق ہو جاتا تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے درہم برہم ہوگیا ہوتا"

پس لوگ اسی ٹائپ کے پیدا ہوئے جس قالب میں انکے آباؤں نے ڈالنا
چاہا تہا۔ اور جب دلوں میں تحریک پیدا ہوتی اور انکے نفوس [illegible] تو وہ تعلیمات
جو انکے ذہنوں میں بچپن سے منقوش تہیں انکو پکار کر کہتی تہیں کہ [illegible] تمہارے
نفس ہی اور نہ ضمیر ہے۔ تمہارا فرض صرف یہی ہے کہ تم آنکھیں بند کر کے [illegible] اطاعت
کرتے رہو۔

غرضکہ اسی طرح رفتہ رفتہ نفس کی آزادی کا خاتمہ ہوا اور اسی کے ساتھ خیالات
کی آزادی بہی جو انسانی ملکات کو تربیت کرنیوالی ہے اور جو انسانی آزادی کا نتیجہ
ہے رخصت ہوئی۔ مگر انسانی طبیعت اس ازدہاک مصیبت پر صبر نہ کر سکی۔
لوگونکی نیتوں میں فساد اور سینوں میں عداوت اور انکے ذہنوں میں بُری فطرت
کے وسوسے اور خطرات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ [illegible] میں دشمنی اور
کینہ کی آگ بھڑک اٹھی اور انسانی گروہ سخت خلفشار میں مبتلا ہو گئے اور ایسی خونریز
لڑائیاں برپا ہوئیں جنکے دردناک واقعات قیاس کے حد سے باہر ہیں اور جنکے نتائج
سے وہ لوگ واقف ہیں جنکو کسیقدر علم تمدن کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے۔

ان تاریکیوں کے اثنا میں اور ان اضطرابات سے پیشتر خدا کی عنایت
عرب کی گہاٹیوں اور چٹانوں کے درمیان ایک ایسی قوم کی تربیت کرنے میں مصروف
تہی جو خدائے جبار کی زبان سے حجت قائم کرے اور قہار کے زبردست ہاتہ سے
سرکشوں اور نافرمانوں کو ادب کی تعلیم دے۔ تاکہ دنیا میں قومیں جسوقت تہذیب اور
شائستگی کا وہ حصہ جو خدا کے علم میں مقدر ہے حاصل کرنیکے بعد اطمینان اور سکون
کی طرف رجوع کریں اور مسلمانوں سے انکے اس دعوے کے سمجھنے کا قصد کریں کہ انکا
مذہب ایک قیمتی خزانہ اور ایک ایسا بہید ہے جس سے زمین و آسمان قائم ہیں تو انکو
معلوم ہو جائے کہ انہوں نے ہزارہا قیمتی جانیں قربان کرنے کے بعد جو چیز حاصل

کی ہے وہ انہیں الہی تعلیمات کا عکس ہے۔

"سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق" [1] "عنقریب ہم اُن لوگوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا کے اطراف میں بھی دکھائینگے اور اُنکے اپنے درمیان میں بھی یہانتک کہ اُنپر ظاہر ہوجائیگا کہ یہ قرآن برحق ہے"

اب ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ نفس کی حریت کی نسبت اسلام کیا کہتا ہے۔ تاکہ فلسفہ کے سرگروہوں اور نوع انسان کے درمندونکو یہ بات ثابت ہوجائے کہ وہ تمام مسائل جنپر اس صدی کے علما فخر کرتے ہیں اُسی آواز کی صدائے بازگشت ہیں جو چودہ صدیوں پہلے مکہ اور مدینہ کی گھاٹیوں کے درمیان گونج رہی تھی۔

اسلام نے مساوات کی بنیاد اس طرحپر قائم کی ہے۔

"یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا" "لوگو ہمنے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور گوتیں ٹھرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے اسلام کی بدولت جاہلیت کی نخوت اور باپ داووں پر فخر کرنے کے عیب کو دور کردیا ہے کیونکہ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ بیشک خدا کے نزدیک زیادہ تر معزز وہی شخص ہے جو زیادہ تر متقی ہو"

اس سے وہ تمام فضیلتیں معدوم ہوگئیں جو نسب کی شرافت یا دولت و ثروت کی بہتات یا کسی خاص قوم اور قبیلہ کی طرف منسوب ہوتے یا ایسے ہی دیگر اسباب سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام نے چھوٹی شیخی اور بڑی باتوں کو ذریعہ امتیاز قرار نہیں دیا بلکہ اُسنے اخلاقی فضائل اور اعمال کو ذریعۂ امتیاز بنایا ہے

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے اور بہ تغیر بعض الفاظ ترمذی اور ابوداؤد میں مروی ہے۔ ۱۲ (مترجم)

خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

"ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" "یعنی خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو"

اسلام نے قرار دیا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری منجملہ ان امور کے نہیں ہو جن کی نسبت کسی شخص کے صرف ظاہری اعمال و عبادت کو دیکھکر حکم لگایا جاسکے کیونکہ بسا اوقات یہ تمام طاعات و عبادات کسی ایسے عقیدہ کے باعث سے جو اسکے دل میں راسخ ہوتا ہے اور جسپر خدا کے سوا کوئی فرد بشر مطلع نہیں ہوتا بالکل بے سود اور کالعدم ثابت ہوتی ہیں خدا نے فرمایا ہے۔

"لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیراً منھن" "مرد مرد و پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ جنپر ہنستے ہیں وہ خدا کے نزدیک اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں عجب نہیں کہ جنپر ہنستے ہیں وہ اُن سے بہتر ہوں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا ہے یہانتک کہ اُسکے اور جنت کے درمیان بقدر ایک گز کے فاصلہ باقی رہجاتا ہو لیکن کتاب اُسپر غالب ہوتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے کام کرنے لگتا ہو اور آخرکار اُس میں داخل ہوتا ہے۔ اور ایک شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے یہانتک کہ اُسکے اور دوزخ کے درمیان بقدر ایک گز کے فاصلہ باقی رہجاتا ہو مگر کتاب اسپر غالب ہوتی ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرنے لگتا ہے اور آخرکار اُس میں داخل ہوتا ہے"[۱]

اسلام نے قرار دیا ہے کہ اعمال صالحہ کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کسی شخص کو یہ حق نہیں ہو کہ وہ کسی عبادت یا پرہیزگاری کے مقبول یا مردود

[۱] یہ حدیث بخاری اور مسلم میں مروی ہو (مترجم)

ہونیکی نسبت حکم لگائے بلکہ اُسکو مناسب یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ وہ خدا پر چھوڑے
اگرچہ وہ پرہیزگاری ایسی ہو جو اُسکو تمام مخلوق سے ممتاز کردے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "[1]میری اُمت کے محدثین کو (یعنی اُن لوگونکو جنسے فرشتے باتیں
کرتے ہیں) چھوڑ دو۔ نہ اُنکی نسبت جنت کا حکم لگاؤ اور نہ دوزخ کا خدا خود قیامت میں
انکی نسبت فیصلہ کریگا" اور نیز آپنے فرمایا ہے کہ "میری امت کے اُن لوگوں کے
واسطے تباہی ہے جو اسبات کا حکم لگاتے ہیں کہ فلاں شخص جنتی اور فلاں دوزخی ہے"

اسلام نے مسلمانوں کی کسی جماعت کو ایسی خصوصیتیں نہیں عطا فرمائی ہیں جنکی
بدولت آسمانی قانون کے سامنے انکا مرتبہ ادنی حیثیت اور کم درجے کے مسلمانونکی
نسبت اعلی ہو۔ بلکہ اُسنے خدا کے فضل و کرم کا دروازہ ہر شخص کے واسطے یکساں
کھول رکھا ہے اور قرار دیا ہے کہ ادنی و اعلی جو چاہے اس دروازہ میں داخل ہو سکتا ہے
کتاب اور سنت کے سوا کسی مرشد اور رہنما کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام نے صرف
اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُسنے اپنے تمام پیروؤنکو ڈرایا ہے کہ ایسے لوگونکے دام فریب
میں پھنسکر شرک میں مبتلا نہو جائیں جو اس امر کا دعوی کرتے ہیں کہ سعادت و شقاوت
انکے اختیار میں ہے اور اُنکو ایسا حق حاصل ہے جس سے تمام افراد محروم ہیں۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو اس بات کا مدعی ہے کہ وہ عالم ہے پس وہ
جاہل ہے" اور نیز آپنے فرمایا ہے کہ "نہایت خوفناک چیز جس سے میں اپنی امت
کی نسبت ڈرتا ہوں وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی تاویل کرتا ہے اور اُسکو بے محل اور
بے موقع چسپاں کرتا ہے اور نیز وہ شخص ہے جو اس بات کا مدعی ہے کہ اُسکے اس کام
میں دوسروں کی نسبت زیادہ حق حاصل ہے۔

اسلام اپنے پیروؤنکو نہایت موکد طور پر خبردار کرتا ہے کہ حساب کے دن انسان

---

[1] اس حدیث کو جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جامع صغیر میں ضعیف لکھا ہے۔ (مترجم)

کے لیے سوائے اسکے اعمال حسنہ کے کوئی چیز کام نہیں آسکتی اور نہ اسکو عذاب سے بچا سکتی ہی کسی عظیم الشان دادا کا پوتا یا کسی بڑے باپ کا بیٹا ہونا کچھ بھی مفید نہیں ہوسکتا خدا نے فرمایا ہے۔

"وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یرے" "اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنی اسنے کوشش کی، اور یہ کہ اُس کی کوشش آگے چلکر (قیامت کے دن) دیکھی جاویگی۔"

اور نیز فرمایا ہے۔

"فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون" "تو اُس دن نہ تو لوگوں میں رشتہ داریاں (باقی) رہینگی اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھینگے"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عباس[1] میرے چچا، اور اے فاطمہ (میری) بیٹی میں خدا سے تمکو کچھ فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ میرا عمل میرے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے مفید ہے" اسیلیے تمام الٰہی احکام تمام افراد کے لیے یکساں وارد ہوئے ہیں۔ نوع انسان کے ادنیٰ افراد کے لیے جو تکلیفات عائد کی گئی ہیں بعینہ وہی تکلیفات اعلیٰ سے اعلیٰ افراد کے ذمہ عائد کی گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "خبردار[2] ہوجاؤ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اُس کی رعیت کی بابت سوال کیا جائیگا"

انہیں آزادانہ قواعد کی بدولت مسلمانوں کے نفوس کو کسی دوسرے شخص کے اشاروں پر چلنے سے آزادی حاصل ہوئی۔ کیونکہ ہر شخص کو اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ اپنے اعمال کی جزا و سزا صرف اُسی کو بھگتنا ہوگی۔ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی رفیع القدر ہو

---

[1] بخاری اور مسلم میں ایک طویل حدیث مروی ہے جسکا آخری جملہ یہ ہے اے عباس الخ (مترجم)

[2] اس حدیث کو بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ (مترجم)

اسکو فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔

اسی قسم کے اصول سے باہمی اخوۃ اور مساوات کی روابط میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کا ایک گروہ اگرچہ کثیر چند مخصوص اشخاص کا اسطرح مطیع ومنقاد نہیں ہوتا کہ وہ انکو جدہر چاہیں پھیریں اور اپنی مرضی کے مطابق جس رستہ پر چاہیں چلائیں۔ بیشک اسی قسم کے اصول کی بدولت مساوات کی حکومت قائم ہوتی ہے کیا تمکو معلوم ہے کہ مساوات کے نتائج کیا ہیں؟ مساوات کے حقوق اور فرائض کے معلوم کرنیکا سب سے پہلا اصول اور تمام افراد کے درمیان عدالت اور آزادی کی بنیاد مستحکم کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ صرف یہی چیز ہے جو حقیقی اور وہمی عدالت کے درمیان مابہ الافتراق ہے نپولین کہتا ہے کہ "مساوات ہر قسم کی عدالت کا سرچشمہ ہے خواہ قوموں کے درمیان ہو یا افراد کے درمیان"۔ مشہور فلاسفر کونڈسی کہتا ہے کہ "طبعی مساوات انسانی افراد کے لیے اپنے حقوق کی شناخت کا سب سے پہلا اصول ہے اور اسی پر تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے"۔

اس فصل کو ختم کرنے سے پیشتر ہم یہ بات ثابت کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ وہ مساوات جس سے آجکل مہذب قومیں متمتع ہیں، کوئی قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُن خونریز بغاوتوں کا نتیجہ ہے جو گذشتہ صدی کے اواخر میں برپا ہوئی تھیں۔ فرنک کہتا ہے کہ وہ تمدنی مساوات جسکی بنیاد بعض یوروپین قوموں میں نصف صدی سے قائم ہوئی ہے بتدریج دیگر اقوام میں بھی شائع ہوتی جاتی ہے۔ مگر ہم کو حق حاصل ہے کہ ہم خدا کا شکر کریں اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑہیں۔

"الحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله"۔	"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جسنے ہمکو اسکی ہدایت کی اور ہم ہدایت پانیوالے نہیں تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمکو ہدایت نکرتا"۔

عقل کی آزادی

سب سے بڑی خصوصیت اور عظیم الشان نعمت جو انسان کو عطا ہوئی ہے
وہ قوت عقلی ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ انسان اُن تمام امور سے جاہل پیدا کیا
گیا ہے جو اُس کی بقائے حیات کے لیے ضروری ہیں۔ مگر اُس جہالت کے مقابلہ
میں اسکو عقلی قوت دی گئی ہے جو معلومات کی زیادتی کے ساتھ ساتھ نشوونما پاتی اور
ترقی کرتی جاتی ہے اور آخر کار انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکالکر شائستگی کی روشنی
میں پہونچاتی ہے مگر بدقسمتی سے یہ قوت بھی انسان کی دیگر قوتوں کی مانند انہیں لوگوں
کے تسلط و اقتدار کے تحت میں رہی جو انسانی افراد کو اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ اور
جو ازلی قانون اُسکے لیے مقرر تھا اُسکے مطابق وہ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہی۔

نوع انسان کے غلام بنانے والوں نے انسان کی تمام قوتوں کی نسبت
عقلی قوت کی نگرانی بڑی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ کی ہے۔ کیونکہ انکو معلوم
تھا کہ یہ ایک ایسی جوہر دار تلوار ہے کہ اگر میان سے نکالی گئی تو اُسکے سامنے
اوہام اور تاریکیوں کے لشکر ایک منٹ کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ اسلیے انہوں
نے نہایت تشدد کے ساتھ اس قوت کی نگہداشت کی اور انسان کو عرصہ دراز
تک ایک اعلیٰ درجہ کی نعمت سے محروم رکھا۔ انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ
جو کچھ ہم کہتے ہیں اُسکے سمجھنے میں عقل کو استعمال کرنا موجب الحاد ہے۔ ان وجوہ
سے لوگ ایسی جہالت کی تاریکی اور وحشیانہ حالت میں مبتلا ہوے جسکے افسوسناک
واقعات نہایت خجالت اور ندامت اور کسیقدر غصہ کے ساتھ تاریخ ہمارے سامنے
بیان کر رہی ہے جسوقت قوموں کی یہ حالت تھی اُسوقت خداوند تعالیٰ حقیقی تمدن

اور سچی شائستگی اور عقل کی آزادی کے اصول حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تھا۔ اور جسوقت قوموں کو مغلوب ومقہور کرنیوالے اور انکو غلام بنانیوالے اپنی رعایا سے کہہ رہے تھے کہ "عقل کی روشنی کو خاموش کردو، بصیرت کی آنکھوں کو بند رکھو،" اُسوقت خدا کا رسول اپنے پیروں اور ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ "مذہب عین عقل ہے جسکو عقل نہیں اُسکا مذہب بھی نہیں" اور جبکہ یہ غلو کرنیوالے اپنے زیر دستوں کو یہ حکم دے رہے تھے کہ "اے لوگو! تم عقل کو الگ رکھنے کی ایک دوسرے کو نصیحت کرو کیونکہ عقل کا استعمال کرنا خدا کی ناراضی اور اُسکے غصہ کا موجب ہوتا ہے" اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے فرمارہے تھے کہ "

"یا ایھا الناس اعقلوا[1]
عن ربکم وتواصوا بالعقل
تعرفوا ما امرتم بہ واعلموا
انہ ینجد لکم عند ربکم"
الیٰ اٰخر الحدیث۔

انہیں آسمانی قواعد کی بدولت عقل کو اُسکی ہر قسم کی قیود سے بالکل آزادی حاصل ہوئی اور انسان کی رہنمائی کا فرض جسکے لیے خدا نے اُسکو پیدا کیا ہے ادا کرنے لگی اور انسانی افراد کی افضلیت کا سب سے بڑا معیار قرار پائی۔ حالانکہ اس سے پیشتر صرف ظاہری عبادت اور جسمانی پرہیزگاری افضلیت کا معیار تسلیم کیا جاتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کسی شخص کا اسلام تمکو ہرگز تعجب میں نہ ڈالے جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ اسکی عقل کیسی ہے"۔

[1] کل حدیث ورد فی ذکر العقل لا یثبت وفی الذیل اخرج الحارث بن اسامہ فی سندہ عن داؤد بن المحبر الضعفا وثلاثین حدیثا قال ابن حجر کلہا موضوعۃ۔ مجمع البحار ص ۵۱۱ ۔

ظاہری عبادت اور جسمانی افعال و لسانی حرکات انسان کے لیے کیونکر مفید ہو سکتی ہیں جبکہ وہ اپنے ضعف عقل کے باعث سے قسم کی افراط و تفریط میں مبتلا ہوتا ہو، اور کاموں میں محل و موقع کا لحاظ نہ رکھتا ہو۔ اگر کسی عہدہ کا بار اسکے ذمہ ڈالا جائے تو اسکو بری طرح استعمال کرے اور اسکے کاروبار کے انجام دینے میں غلط طریقہ اختیار کرے ایسے شخص کی ظاہری عبادت کچھ زیادہ قابل وقعت نہیں ہو سکتی۔ ہمنے اکثر اشخاص کو دیکھا ہے جو صلاح و تقوے کے مدعی تھے مگر وہ محض اپنی نادانی اور کم عقلی سے اپنی قوم کے لیے آفت۔ اور ملک کے لیے مصیبت ثابت ہوئے ہیں" ایک جماعت نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی بہت تعریف کی اور اس میں مبالغہ کیا۔ آپنے فرمایا کہ اس شخص کی عقل کیسی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس کی عبادات و خیرات کی نسبت عرض کرتے ہیں اور آپ اس کی عقل کی نسبت دریافت فرماتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ" احمق بوجہ اپنی جہالت کے ایسی آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے جو کسی بدکار کی بدکاریوں سے سخت تر ہوتی ہیں۔ قیامت کے روز بندوں کو تقرب الٰہی کے درجے باعتبار انکی عقلوں کے عطا ہونگے"۔

مذہب اسلام نے عقلی قوت کو اسقدر بزرگی و شرف و اعتبار عطا فرمایا ہے جسکا ایک شمہ آپ کو ان احادیث سے معلوم ہوا ہوگا جو اوپر مذکور ہوئیں۔ لیکن کیا تمکو معلوم ہے کہ مہذب قوموں میں اس عظیم الشان قوت کی آزادی کا کیا نتیجہ ہو جبکہ وہ نہایت قیمتی جانیں قربان کرنے کے بعد انکو حاصل ہوئی؟ جس عظیم الشان تمدن اور تہذیب و شائستگی سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جو زبردست قوت اور شوکت انکو حاصل ہے وہ اسی آزادی کا نتیجہ ہے۔ دنیوی سعادت اور مادی صلاح و فلاح جسکے عجیب و غریب حالات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں وہ بھی اسی آزادی کا نتیجہ ہے۔ لاردس کہتا ہے کہ" اگر اغراض اور اوہام کی قیود سے آزاد

ہو کر اس مادی، فکری اور اخلاقی ترقی کے اسباب کی نسبت بحث کریں، جو انسانی گروہونکو ابتدا سے اسوقت تک حاصل ہوئی ہے تو معلوم ہوگا کہ اسکا یہ سبب ہے کہ عقل کو اس کی قید سے آزادی حاصل ہوئی۔ ہم اس مبحث کے ختم کرنے سے پیشتر یہ امر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عقلی قوت کی آزادی کچھہ قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہے اور نیز یہ کہ وہ سخت کشمکش اور جدال وقتال کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ لاروس کہتا ہے۔

"آغاز اصلاح کے زمانہ سے فرانسیسی بغاوت تک عقل کے آزاد کرنیوالوں اور اسکو مقید رکھنے والونکے درمیان سخت جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا گذشتہ زمانہ کی حکایات اور خرافات سے بالکل اعراض کرنے اور آیندہ کے لیے ایک نیا طریقہ قرار دینے کے باعث فرانسیسی بغاوت نے سوسائٹی کے اُن تمام ارکان کی ترمیم کی جو منہدم ہوچکے تھے اور جدید نسل کی تعلیم اُسکا اہم مشغلہ قرار پایا،، مگر ہم کو یہی کہنا مناسب ہے " الحمد للہ الذی ھدانا لھذا ما کنا لنتھدی لولا ان ھدانا اللّٰہ "

علمی آزادی

علم کو قوت عقلی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو غذا کو جسم کے ساتھ ہے پس جسطرح انسان کا جسم مختلف قسم کے زمینی مادوں سے غذا حاصل کر کے نشو و نما پاتا اور بڑہتا ہے اسی طرح اُس کی عقلی قوت بہی علمی مسائل اور خارجی معلومات سے قوی ہوتی اور ترقی کرتی ہے۔ اسیوجہ سے نوع انسان کو غلامی کی ذلت میں رکہنے والوں نے علم کی مذمت کرنے اور اس کی طرف سے لوگونکو نفرت دلانے اور اہل علم کو تکلیف دینے میں کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکہا۔ اُنہوں نے قطعی حکم لگا دیا کہ علم ایک ایسی ناپاک چیز ہے جسکے قریب آنا ہی ناجائز ہے۔ علامہ لاروس نے دائرۃ المعارف میں لکہا ہے کہ "انکا خیال تہا کہ علم ایک ایسا ملعون درخت ہے جو اپنے زہریلے پہلوں سے بنی آدم کو ہلاک کرتا ہے" اُنہوں نے علم کی مخالفت پر یہانتک کمر باندہی تہی کہ لوگونکو اُسکا نام لینے سے منع کرتے تہے۔ اور قدما کے فلسفہ میں تحریف کر کے اُسکو اپنی خواہشات کے موافق بنانا چاہتے تہے حتے کہ وہ ان تحریفات کی بدولت ایسا بدصورت ہو گیا کہ عقل اُسکو دیکہکر سخت نفرت کرتی تہی۔

انکے دل میں یہ خیال خام پیدا ہو گیا تہا کہ ہمارے پاس ایسا علم ہے جس کی طرف جہالت کو راہ نہیں ہو سکتی۔ اُنہوں نے قطعی حکم لگا دیا تہا کہ جو چیز اُس علم سے باہر ہو وہ دائرہ تحقیق سے خارج ہے اور سوائے زندیق کے کوئی شخص اسکا قائل نہیں ہو سکتا ایسے لوگونکو وہ اسقدر عبرت ناک سزائیں دیتے تہے جنکے ذکر سے انسان کا دل لرز جاتا ہے۔ اور اسی طریقہ سے اُنہوں نے حکما کی ایک بڑی تعداد کو صرف اس جرم میں ہلاک کیا کہ وہ علمی مواد کے بڑہانے میں کوشش کرتے ہیں۔

ان جابرانہ وسائل سے اس عام میلان میں جو علم کی طرف تہا سکون پیدا

ہوگیا۔ مگر اسنے فوراً زندگی کے قوانین کی زبان سے حجت قائم کی اور وہ ناطق حجت یہ تھی کہ جہالت اور گمراہیوں کی گرم بازاری ہوئی اور اوہام اور خرافات کو رواج حاصل ہوا اور بہیمی خواہشیں انسانی خصلتوں پر غالب ہوئیں زبردستوں نے زیردستوں کو دبالیا اور انکو تمام طبعی حقوق سے محروم کردیا۔ نوع انسان کی حالت میں ایک عرصہ تک سخت برہمی اور اختلال رہا۔ اسکے بعد اندرونی شورشوں اور بغاوتوں اور خونریز جنگ وجدل کا زمانہ آیا جو علم کو اس کی جہنمی قیود سے آزاد کرانے کی غرض سے برپا ہوئیں۔

جسوقت قوموں کی یہ حالت تھی اُسوقت آسمانی حقائق حضرت سید الوجود صاحب المقام المحمود صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہے تھے اور حقیقی تمدن اور آزادی علم کے اصول کی تدوین ہو رہی تھی۔ مذہب اسلام نے آکر ان تمام طوق وسلاسل کو توڑا جن میں علم مقید تھا اور قرار دیا کہ علم کو کسی قید سے مقید اور کسی حد سے محدود کرنا ایک ایسی بے انصافی ہے جو معیوب خیال کی جاسکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ علم کی کوئی انتہا ہے تو وہ اُسکی حق تلفی کرتا ہے اور اُسکو اُس مرتبہ سے گراتا ہے جو خدا نے اُسکے لیئے قرار دیا ہے اسلیے کہ خدا نے فرمایا ہے ”وما اوتیتم من العلم الا قلیلا“[1]

اسلام نے تصریح کی ہے کہ کلام الٰہی کی حکمتوں کا سمجھنا اُسوقت تک ناممکن ہے جب تک کہ انسانی فکر علوم کی روشنی سے منور نہو خدا نے فرمایا ہے ”تلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون“ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ طلب علم میں کوتاہی کرنیوالونکو انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

”ولئن جئتھم بایۃ لیقولن الذین کفروا ان انتم الا مبطلون۔ کذلک یطبع اللہ علی

[1] اور تم لوگونکو اسرار الٰہی میں سے بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ ۱۲

"قلوب الذین لا یعلمون"

(ترجمہ) اور اے پیغمبر! اگر تم ان لوگوں کو کوئی سا معجزہ بھی لا دکھاؤ تو جو منکر ہیں وہ تو بس یہی کہیں گے کہ تم مسلمان نرے فریبی ہو۔ جو لوگ سمجھ نہیں رکھتے اُنکے دلوں پر الله اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے"

اس قسم کی آیات بینات سے اسلام نے انسانی عقول کے لیے علوم و معارف کے دروازے کھول دیئے اور ہدایت کی کہ علم کا طلب کرنا اور اُسکے اکتساب میں کوشش کرنا خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بہترین عبادت طلب علم ہے" اور نیز فرمایا ہے کہ "ایک ساعت علم میں غور کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے"

اسلام نے علم کو کسی خاص شہر یا کسی خاص گروہ تک محصور نہیں رکھا بلکہ ہم کو اُسکے حاصل کرنیکا حکم دیا ہے خواہ وہ کہیں ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "علم[1] کو تلاش کرو اگرچہ وہ چین میں ہو" اور نیز فرمایا ہے کہ حکمت[2] مسلمان کی ایک گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں ملے اُسکو اٹھا لینا چاہیے" پس کوئی مسلمان کسی حکمت کے حاصل کرنے سے اس وجہ سے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ ایسے شخص سے صادر ہوئی ہے جو از روے اعتقاد کے اُسکے برخلاف ہے اور اُسکے حاصل کرنے کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ حکمت ہے جو انسان کے مرتبہ کو بلند کرتی اور اُسکو جہالت سے نکالتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "حکمت کو لے لو یہ امر تمہارے لیے مضر نہیں ہے کہ وہ کس برتن سے نکلی ہو"

---

[1] اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں روایت کیا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ بالکل بے اصل ہے۔ (اللآلی المصنوعہ)

[2] اس حدیث کو ترمذی نے بہ تغیر بعض الفاظ روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی آیات کو تدبر اور تفکر کے ساتھ تلاوت کرو تمکو معلوم ہوگا کہ علم و حکمت کی طرف سے غفلت اور چشم پوشی کرنے کی انسان کو سخت ممانعت کی گئی ہی - خداوند نعم مہربانی اور رحمت کے لہجہ میں اپنے بندوں کو پکار کر کہتا ہے " انظروا ماذا فی السموات و الارض "، اور جو لوگ اس میں کوتاہی کرتے ہیں اُنکو ملامت کرتا ہی تاکہ اہل نظر کے لیے موجب عبرت ہو -

" وکائن من آیة فی السموات والارض یمرون علیها وهم عنها معرضون "
اور جو لوگ عجائب کائنات اور غرائب مصنوعات سے اپنی آنکھوں کو بند رکھتے ہیں اُن کو ڈراتا ہے -

" من کان فی هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی و اضل سبیلا " — " جو شخص اس دنیا میں بہ دانستہ اندھا بنا رہا وہ آخرت میں اندھا اور نجات کے رستہ سے بہت بھٹکا ہوا ہوگا "

" قال رب لما حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا قال کذالک اتتک ایاتنا فنسیتها وکذالک الیوم تنسیٰ " — وہ کہیگا اے میرے پروردگار تونے مجکو اندھا کرکے کیوں اٹھایا میں تو دنیا میں دیکھتا بھالتا تھا - خدا فرمائیگا ایسا ہی ہونا چاہئے تھا - دنیا میں ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں مگر تونے اُنکی کچھ خبر نہ لی - اسیطرح آج تیری بھی خبر نہ لیجائیگی "

اسلام نے علمی آزادی کو اس درجہ تک پہونچایا ہی - پس میں دریافت کرتا ہوں کہ متقدمین یا متاخرین میں سے کسی نے علم کی اس درجہ قدر و منزلت کی ہی، جو گذشتہ آیات سے معلوم ہوتی ہے - کیا یہ علمی آزادی جو مغرب میں دیکھی جاتی ہی قدیم زمانہ سے چلی آتی ہی ؟ ہرگز نہیں - مسیو برتلو (Berthlot.) ممبر فارن آفس فرانس کہتا ہے کہ " علم کو موجودہ آزادی صرف ۲۵۰ سال سے حاصل ہوئی ہی -

"الحمد للہ الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔"

"خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اس (بہشت میں آنے) کا راستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم کو کسی طرح (جنت کا) رستہ (ڈھونڈے) نہ پاتا"۔

الواجبات الشخصیۃ والعائلیۃ والاجتماعیہ

ذاتی اور خاندانی اور تمدنی فرائض

گذشتہ فصل میں ہم اختصار کے ساتھ تینوں قسم کی آزادی کی گفتگو کر چکے ہیں جس پر مہذب دنیا کی تمام موجودہ ترقیوں اور کامیابیوں کا انحصار ہے، اور محسوس دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ شائستگی کے تمام بنیادی اصول اسلامی انوار کی شعاعیں ہیں جنھوں نے مغربی ممالک کو منور کر رکھا ہے۔ لیکن اُن بنیادی اصول کے ماتحت دوسرے فروعی قواعد ہیں جو ان ابتدائی اصول کے نتائج ہیں، ان کی نسبت بھی اختصار کے ساتھ گفتگو کرنا ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ جس شخص کو ذرہ بھر بھی عقل ہے اُسکو "ما فرطنا فی الکتاب من شئ" کی تفسیر عیانی طور پر مشاہدہ ہو جاسے۔

ذاتی فرائض

ہر شخص اس امر کا شعور رکھتا ہے کہ وہ دو چیزوں سے مرکب ہے، جو ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہیں، اور وہ جسم اور روح ہیں اور باوجودیکہ اُنکی طبیعتیں متغائر ہیں، تاہم وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسا عجیب و غریب اتحاد رکھتے ہیں کہ جسوقت ایک متاثر ہوتا ہے تو اُسکے ساتھ دوسرا بھی متاثر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں اثروں اور موثروں کے درمیان بالکل تباین ہوتا ہے۔ اس نظریہ (Theory) کی بناپر نوع انسان نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ سعادت و فلاح جو انسان کی انتہائی تمنا ہے اُسکا دارومدار بالکل اسباب پر ہے کہ دونوں جوہروں کی حفاظت اُن تمام عوارض سے کیجائے جو اُنکو اپنے فرائض کے ادا کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ پس ان دونوں کی حفاظت پر یکساں توجہ مبذول رکھنا ایک لازمی امر ہوگیا ہے۔ علامہ لاک کہتا ہے "وہ سعادت و فلاح جس سے دنیا میں فائدہ اٹھانا انسان کے لیے ممکن ہے اُسکے واسطے دو چیزیں لابدی ہیں عقل صحیح اور جسم سالم۔ یہ دونوں نعمتیں دوسری تمام نعمتوں کی اصل اصول ہیں اور جسکے پاس خوش قسمتی سے یہ دونوں موجود ہوں اُسکو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی اور جو ان سے محروم ہو وہ ہرگز خوشحال نہیں ہوسکتا اگرچہ اُسکے پاس اور بہت سی نعمتیں موجود ہوں۔ کیونکہ درحقیقت یہی دونوں چیزیں سعادت اور شقاوت کی بنیاد ہیں۔ جو شخص عقل سلیم سے محروم ہے وہ عمر بھر سعادت و فلاح کا سیدھا رستہ معلوم نہیں کرسکتا۔ اسیطرح جو شخص جسمانی تندرستی سے محروم ہے وہ بھی کامیابی کی راہ میں کوئی قابل ذکر مرحلہ طے نہیں کرسکتا"

پس جبکہ یہ امر فیصل ہوچکا ہے، تو اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان کے پیچھے دو قسم

کی ضرورت لگی ہوئی ہیں۔ ایک روحانی ضروریات جو نفسانی سعادت اور روحانی فلاح کو مستلزم ہیں، اور دوسری جسمانی ضروریات جو جسمانی سعادت کو مستلزم ہیں۔ نفسانی یا روحانی ضروریات سے وہ قواعد مراد ہوتے ہیں جنکے استعمال میں لانے سے انسانی نفس صحیح سالم اور اپنے فرائض کے ادا کرنے کے قابل رہے۔ اسیطرح جسمانی ضروریات سے وہ قوانین مراد ہوتے ہیں جنسے جسم تندرست اور ان فرائض کے ادا کرنیکے قابل رہے جو اس دنیوی زندگی میں اسکے ذمہ عائد کیے گئے ہیں۔ غرضکہ انسانی سعادت جو انسان کی انتہائی تمنا ہے وہ نفس اور جسم دونوںکی اصلاح حالت اور دونوںکی ضروریات میں تناسب قائم رکھنے پر موقوف ہے۔ اور یہ اس زمانہ میں ایسی بدیہی بات ہے کہ تمام دنیا کے علما میں سے کوئی شخص بھی اس میں شک و شبہہ نہیں رکھتا۔ مگر ان علما سے پیشتر اسلام ان قواعد کو اسوقت منضبط کر رہا تھا جبکہ لوگ پہاڑوں میں رہنے اور رہبانیت اختیار کرلے یا تمام عقلی اور فکری فضائل کو خیرباد کہکر محض بدنی لذات میں غرق رہنے کو ذریعہ سعادت خیال کرتے تھے اس مسئلہ پر ہم کسیقدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

نفسانی ضروریات

جو شخص بصیرت کی آنکھیں کھولکر مخلوقات کے حالات پر غور کریگا اُسکو انکی فطرت کے تبائن اور اُنکی استعداد کے تخالف کے متعلق نہایت عجیب و غریب باتیں معلوم ہونگی۔ اُسکو معلوم ہوگا کہ کوئی شخص نقطہ اعتدال پر قائم ہے، کوئی افراط میں مبتلا اور تفریط میں گرفتار ہے اور اس اعتدال اور افراط اور تفریط کے درمیان اسقدر درجات ہیں جنکی تعداد خدا کے سوا کوئی شخص نہیں جان سکتا۔ یہ لوگ باوجودیکہ نوعیت میں متحد اور انسانیت میں شریک ہیں مگر وہ اپنے اعمال، اعتقادات اور ملکات میں ایک دوسرے سے بالکل متبائن ہیں۔ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنا مثل اجتماع ضدین کے ناممکن ہے آپکے نزدیک نوع انسان کے افراد میں اس سخت تبائن کا کیا باعث ہے؟ کیا یہ اس امر کی محسوس دلیل نہیں ہے کہ جسطرح جسمانی امراض اجسام پر طاری ہوتے اور اُس کی مادی صورت کو بگاڑ دیتے ہیں، اسیطرح بعض اوقات انسانی نفوس کو روحانی امراض عارض ہوتے اور اُس کی معنوی صورت کو خراب کر دیتے ہیں؟ اگر تمنے دیکھا ہے کہ کسی نصیحت کی تاثیر سے کوئی گمراہ اپنی گمراہی سے باز آگیا ہے، تو کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ اگر حقیقی علاج میسر آجائے تو نفوس کے امراض کا زائل ہونا ممکن ہے۔ بیشک نفس ابتدا میں مثل بچہ کے ہوتا ہے۔ ہر ایک سانچہ میں ڈھل جانیکی استعداد اُس میں موجود ہوتی ہے۔ پس اگر ابتدا ہی سے اُسکو کوئی دانشمند تربیت کرنیوالا ملجاتا ہے اور اُس کی حکیمانہ تعلیمات کے مطابق نشو و نما پاتا ہے تو وہ جوان ہوکر نہایت نیک اور پاکباز ہوتا ہے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے اُسکو ناقص مربی ملتا ہے، یا ناقص موثرات

کے درمیان اس کی نشو ونما ہوتی ہے تو وہ نہایت شریر اُٹھتا ہے اور انسان کو سخت ذلتوں اور رسوائیوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اس بنا پر امراض اور معالجات کے قبول کرنے کے لحاظ سے نفس کا حال بالکل ہی جسم کے مانند ہے اگرچہ نفسانی امراض اور معالجات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

اسقدر تمہید کے بعد ہمکو نفوس کی تربیت اور امراض سے اُنکی حفاظت اور نیز اُس طریقہ کی نسبت گفتگو کرنا آسان ہوگیا ہے جس سے اُس میں اپنے فرائض کے ادا کرنے کی صلاحیت باقی رہے۔ اسکے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ (۱) اُسکو اوہام کے زنگ سے صاف کرنا (۲) صحیح معلومات سے راستہ کرنا (۳) اخلاق حمیدہ کا اسکو عادی بنانا (۴) اعتقاد کی تصحیح کرنا۔ ان چاروں امور کو ہم علحدہ علحدہ فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔

نفس کو اوہام کے زنگ سے صاف کرنا

ہم پچھلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ جسمانی حفظ صحت اور نفسانی حفظ صحت کے قواعد میں پوری مشابہت ہے۔ جسمانی حفظ صحت کے لیے جس چیز کی طرف سب سے اول توجہ مبذول کرنا ضروری اور لابدی ہے اور وہ یہ ہے کہ جسم کو ہمیشہ نجاسات اور میل کچیل سے پاک صاف رکھا جائے جو زندگی کے فرائض ادا کرنے سے عارض ہوتے رہتے ہیں۔ اگر جسمانی صفائی اور پاکیزگی نظر انداز کر دی جائے تو بسا اوقات جسم پر ایسے امراض طاری ہوتے ہیں جو بتدریج اُس کی قوتوں کو مضمحل کر دیتے اور آخرکار انسان کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔

جسطرح مادی نجاسات اور میل کچیل جسمانی امراض کا موجب ہوتے ہیں اسی طرح اوہام اور خرافات اور باطل خیالات جو روحانی نجاسات ہیں نفسانی امراض کا باعث ہوتے ہیں اسلیے نہایت موثر وسائل کے ساتھ انکے زائل کرنے کی کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا اور نفسانی صفائی اور پاکیزگی کا لحاظ نہ رکھا جائیگا تو روحانی نجاسات مجتمع ہوکر نفس کو بیمار کر دینگی اور اُسکو اپنے فرائض کے ادا کرنے کے قابل نہ چھوڑینگی۔ مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ بعض اوقات ایک باطل وہم یا غلط خیال نفس کو عارض ہوکر اکثر فضائل سے اُسکو محروم کر دیتا ہے اور اُن فضائل سے محروم ہونا ایسے امراض کا مورث ہوتا ہے یہ بزدلی اور بغض اور حسد کے نام سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ اور یہ مہلک امراض وہ ہیں جن کے زائل کرنے کی کوشش میں علمائے اخلاق اپنے تمام قیمتی اوقات صرف کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اوہام اور خرافات سے بچنے کی ایسی ہی تاکید کرتے ہیں جیسی زہریلے سانپوں اور درندوں سے بچنے کی۔ ان کی رائے ہے کہ گذشتہ صدیوں میں جسقدر فتنے اور فساد

دنیا میں برپا ہوئے ہیں انکا صرف یہی باعث تھا کہ اُس زمانہ کے لوگ اُن تمام باتوں
جو اُنکے سامنے بیان کیجاتی تھیں بلا چون و چرا تسلیم کرتے اور اُنکی تعمیل کرتے تھے،
اگرچہ انکی تائید میں کوئی دلیل نہ بیان کی گئی ہو۔

مذہب اسلام نے علماے اخلاق سے بہت پہلے ان قواعد کو منضبط کیا ہی
اُسنے اپنے پیرؤنکو اوہام کی گمراہیوں میں مبتلا ہونے سے ڈرایا ہے اور اُنکو دکھلایا ہے
کہ اکثر باتیں جن کی طرف لوگ دعوت دیتے ہیں عقل کو عیب لگانیوالی اور حق سے دور
پھینکنے والی ہوتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ہم الا یخرصون"

اور (اے پیغمبر) اکثر لوگ تو دنیا میں ایسے ہیں کہ اگر اُنکے کہنے پر چلو تو تمکو راہ خدا سے بھٹکا چھوڑیں۔ یہ تو صرف اپنے ذہنی خیالات پر چلتے اور نری اٹکلیں (بیٹھے) دوڑاتے ہیں۔

اور آگاہ کیا ہے کہ قیامت کے دن انسان کو خدا کے سامنے جوابدہی کے واسطے
کھڑا ہونا پڑیگا۔ اور جو غلط خیالات بغیر کسی دلیل کے اُسنے اپنے عقائد میں شامل کر لیے
ہیں انکی بابت باز پرس کیجائیگی۔ اس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔

"ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا"

"اور (اے مخاطب) جس بات کا تجھکو علم (یقینی) نہیں (اٹکل پچو) اُسکے پیچھے نہ ہو لیا کرو (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ان سب سے (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوتی ہے"

اسکے بعد ہمارے سامنے گمراہوں کا حال بیان کیا ہی اور ہمکو دکھلایا ہی کہ یہ گمراہی
صرف وہم اور گمان کی پیروی کا نتیجہ ہے اور اُنکو انجام کی خرابی سے متنبہ کیا ہی۔ فرمایا ہی۔

"وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ان اللہ علیم بما یفعلون۔"

"اور ان لوگوں میں اکثر تو بس اٹکل پر چلتے ہیں سو اٹکل کے تکے حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتے۔ جیسی جیسی زناوانیاں) یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ اسکو خوب واقف ہے۔"

نفس کو علم و فضل کے ساتھ آراستہ کرنا

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جسطرح جسم کو مادی نجاسات اور میل کچیل سے پاک صاف کرنا ضروری ہے، اسیطرح نفس کو اوہام اور خرافات کے میل کچیل سے پاک رکھنا ضروری اور لابدی ہے۔ اور اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جسطرح مادی صفائی کے لیے ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جو امراض کے ماکروب سے پاک اور صحت افزا ہوں اسی طرح نفسانی صفائی کے لیے ایسی چیز درکار ہے جو نفس کو اوہام اور وسوسوں کی غلاظت سے پاک کرنے والی ہو۔ وہ چیز جو نفس کو پاک صاف کرنیوالی ہے علم ہے، جو تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو اور جسپر محسوس دلائل قائم ہو چکے ہوں۔ یہ بالکل بدیہی بات ہے جسمیں کسی ذی عقل شخص کو مطلق شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ مہذب دنیا میں جسنے سب سے پہلے یہ اصول قائم کیا وہ ڈی کارٹ ہے جو سترہویں صدی میں ایک مشہور اور نامور فلاسفر گذرا ہے اور اسوقت سے علمی مسائل کی تحقیق و تنقید میں اسی کے مذہب پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔

اسلام نے نفس کو پاک کرنے اور اسکو علم و حکمت کے زیور سے آراستہ کرنیکے اصول کو دنیا میں سب سے پہلے منضبط کیا ہے اور دونوں جنسوں یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے اسکا اکتساب فرض اور واجب ٹھیرایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "علم کا طلب کرنا ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے" اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ "پیدائش سے وفات تک علم طلب کرو"

اسلام نے اُن تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جنکے ذریعہ سے باطل اوہام اور غلط خیالات کی رسائی علم تک ہونا ممکن ہے۔ جس کی صحت اور صداقت پر یقینی دلیل قائم نہو چکی ہو اُسکو اسلام نے علم کے نام سے موسوم نہیں کیا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"ان عندکم من سلطان	"تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل تو ہے نہیں
بھذا أ تقولون علی اللہ	تو کیا بے جانے بوجھے خدا پر جھوٹ بولتے
ما لا تعلمون۔"	ہو"

قرآن مجید میں تصریح کی گئی ہے کہ اکثر لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر حقائق کو باطل اوہام کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حد سے بڑھنے والے کہا گیا ہے اور اُن سے الگ رہنے کی ہدایت ہوئی ہے خدا نے فرمایا ہے۔

"وان کثیرا من الناس	"اور بہت لوگ خواہی نخواہی بلا تحقیق اپنی
لیضلون باھواءھم بغیر	خواہشوں کے مطابق لوگوں کو بہکاتے رہتے
علم"	ہیں"

اسکے بعد خدا نے ان لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو ہوا و ہوس کے اشارہ پر چلتے ہیں اور انکو انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے اور قرار دیا ہے کہ ان کا یہ عذر کہ ہم دوسروں کی تقلید کرنیوالے ہیں انکے لیے کچھ مفید نہیں ہوسکتا۔ خدا نے فرمایا ہے

"واذ تبرأ الذین اتبعوا	"یہ الیسا کڑا وقت ہوگا اُسوقت گرو اپنے چیلے
من الذین اتبعوا ورأوا العذاب	چانٹوں سے دست بردار ہو جائنگے اور

لہ یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے وہ سب ضعیف ہیں (مجمع البحار صفحہ ۵۱۰)

وتقطعت بهم الاسباب	عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیوینگے اور انکے
وقال الذین اتبعوا لوان	آپس کے تعلقات سب ٹوٹ جاوینگے اور چیلے
لنا کرۃ فنتبرأ منھم کما تبرّا	بول اُٹھینگے کہ اے کاش ہمکو ایک دفعہ دنیا
وامنا۔ کذلک یریھم اللہ	میں پھر لوٹ کر جانا ہی تو جیسے یہ لوگ آج ہمسے
اعمالھم حسرات علیھم۔	دست بردار ہوگئے اسیطرح کل کو ہم بھی انسے
وماھم بخارجین من النار	دست بردار ہو جائیں یوں اللہ انکے اعمال
	انکے آگے لائیگا کہ انکو وہ اعمال سرتا سر موجب

حسرت دکھائی دینگے اور اسپر بھی انکو دوزخ سے نکلنا نصیب نہوگا۔

اسلام نہایت بلند آواز سے (جو سوتوں کو بیدار کرنیوالی اور غافلوں کو چونکا دینے والی ہی) پکار کر کہہ رہا ہے کہ علم کی ضرورت صرف اخروی زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں ہی۔ بلکہ اُس کی دنیوی زندگی میں بھی ویسی ہی ضرورت ہی اور دنیا کے کاروبار بغیر علم کے انجام پذیر نہیں ہوسکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ "جو شخص دنیا کا خواستگار ہی اُسکو علم حاصل کرنا چاہیئے اور جو شخص دونوں کا خواستگار ہے اُسکو بھی علم حاصل کرنا چاہیئے"

علم کے اکتساب میں کوتاہی کرنیوالوں کو اسلام ان لوگوں سے زیادہ سخت ملامت کرتا ہے جو اپنے ادائے فرائض میں غفلت اور کوتاہی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی " دنیا اور دنیا کی چیزیں ملعون ہیں مگر عالم اور متعلم" اور نیز فرمایا ہے کہ " زندگی میں کوئی بہتری نہیں ہی مگر گفتگو کرنے والے عالم اور یاد رکھنے والے سامع کے لیے"

اسلام ہمکو متنبہ کرتا ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنیوالا ہی جس میں بے دینی اور الحاد کی گرم بازاری ہوگی۔ اور اسلام کی طرف ایسی چیزیں منسوب کیجاوینگی جنکو

اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسلام میں ایسے منافق علما پیدا ہونگے جو اُس کی مستحکم عمارت کو منہدم کرنے کی غرض سے اُس کی پاک تعلیمات کے ساتھہ بیہودہ خرافات شامل کردینگے اور اُس کی بربادی کے لیے ایسے حیلے ایجاد کرینگے جنکا سمجھنا ان لوگونکو مشکل ہوگا جو اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" میرے[1] بعد ایسے فتنے برپا ہونگے کہ ایک شخص صبح کو مومن اور شام کو کافر ہوا کریگا مگر وہ لوگ جنکو خدا نے علم سے زندہ کیا ہے"

اسلام صراحت کے ساتھہ بیان کرتا ہے کہ" جہالت اور اسلام دو ایسی متضاد چیزیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور قرآن مجید کا سمجھنا زیادتی علم پر موقوف ہے اور جو شخص اپنی جہالت پر قانع ہے، وہ ہمیشہ کلام الٰہی کے سمجھنے سے محروم رہیگا جس سے اُس کی تربیت اور اُسکا تزکیہ مقصود ہے اور یہ ایک ایسا خسارہ ہے جسکا کسی طرح اندازہ نہیں ہوسکتا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے" وتلک[2] الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" کیا بغیر علم کے قرآن سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے"

مذہب اسلام نے علم کے مرتبہ کو یہانتک بلند کیا ہے اور اُسکے اکتساب کی اسقدر ترغیب دی ہے۔ آپکو یقیناً معلوم ہوا ہوگا وہ ترغیب ان تمام اقوال کی نسبت جو ہم آجکل تمدن کے پیشواؤں اور تہذیب و شائستگی کے حامیوں کی زبان سے سُنتے ہیں انسان پر زیادہ تر موثر ہے۔ بیشک" ومن احسن من اللہ حدیثا"

[1] اس حدیث کو طبرانی نے ابی امامہ سے روایت کیا ہے سیوطی نے اسکو حسن لکھا ہے۔
[2] اور ہم چند مثالیں لوگونکے سمجھانے کے لیے بیان کرتے ہیں اور عالم ہی انکو سمجھتے ہیں۔

نفس کو اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرنا

ہر شخص جانتا ہے کہ جسطرح اُسکے پیچھے بہت سی جسمانی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں اسیطرح اسکے نفس میں ایسی خواہشیں اور رغبتیں پیدا کی گئی ہیں جنکا نفس کو شعور ہوتا اور وہ اُنسے متاثر ہوتا ہے اور جنکا نفس سے جدا کرنا ناممکن ہے۔ پس جسطرح جسم کو بھوک پیاس اور گرمی سردی وغیرہ اندرونی اور بیرونی موثرات کا احساس ہوتا ہے، اسیطرح نفس کو اُسکی بہت سی ضرورتوں کا احساس ہوتا ہے۔ اگرچہ نفسانی حاجات مثل گرمی سردی اور بھوک پیاس کے نہیں ہیں، لیکن ان چیزوں کی احتیاج کے لحاظ سے جو زندگی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں نفس اور جسم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بیشک نفسانی خواہشیں اور رغبتیں اگرچہ بلحاظ اپنی شکلوں اور صورتوں کے تعداد اور شمار کی حد سے باہر ہیں لیکن وہ باوجود بیحد و بیشمار ہونیکے صرف ایک محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اور وہ اُس فطری کمال کی طرف میلان ہے جسکی دھندلی تصویر انسان کبھی اپنے وجدان میں دیکھ لیتا ہے اور جسکی حسرت دل میں لیکر مرتا ہے۔

روے زمین کے عقلا نے نہایت قدیم زمانہ سے نوع انسان کے اخلاق کی تہذیب کو ایک ضروری امر خیال کرکے اُسکا اہتمام کیا ہے۔ اس بارہ میں جو اُنکے اقوال ہیں نہ ہم اُنکو اس مختصر کتاب میں نقل کرسکتے ہیں، اور نہ اُنکی عدم صلاحیت پر دلائل قائم کرنیکی ضرورت دیکھتے ہیں۔ مگر ان عظیم الشان اقوام کے حالات پر غور کرنے سے جنکو تاریخی شہرت حاصل ہے یہ امر خود بخود واضح ہوجاتا ہے۔ بیشک ان قوموں کے حالات پر سرسری غور کرنے اور اُنکی رغبتوں کا ٹھیک رخ دریافت کرلینے سے ہمکو صاف صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اُنکے پیشوا احساسات کی تربیت اور تہذیب طبائع کے بنیادی اصول سے[1] ہماری مراد اصول اعتدال ہے۔

[1] واقف نہیں ہوسکے تھے بنیادی اصول سے

بلکہ ان میں سے بعض لوگوں نے اخلاق حمیدہ کے استعمال کو صرف اپنی قوم کیساتھ مخصوص رکھا ہے اور دیگر قوموں کے مقابلہ میں رذائل کا ارتکاب جائز قرار دیا ہے۔ اس اصول کی جھلک ان قوموں میں نہایت وضاحت کے ساتھ اب تک نظر آتی ہے جنکو دیگر قوموں پر قوی تسلط اور اقتدار حاصل رہا ہے۔ اس دعوے کی تائید میں ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جنکی کسی صورت سے تردید نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے اخلاقی کمالات کی نسبت تفریط کو جائز رکھا ہے جس سے نہ دل کو سکون ہوتا اور نہ وجدان کو طمانیت حاصل ہوتی ہے اور انسان اپنے فطری کمال کی طرف اپنی رفتار کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ بعض لوگوں نے نفس کا زور توڑنے میں افراط سے کام لیا ہے اور اکثر خواہشوں اور رغبتوں کا فنا کر دینا لازمی قرار دیا ہے۔

اس بارہ میں افراط کے نتائج بھی تفریط سے کسیطرح کم نہیں۔ جس قوم کے افراد میں یہ مرض پھیل جاتا ہے اُسکا نظام مختل اور اُسکی شائستگی کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے اور اُسکو بیشمار تمدنی فتنوں میں مبتلا کرتا ہے جن کی تفصیل تاریخ کی مطول کتابوں سے دریافت ہوسکتی ہے۔ نفسانی ریاضتوں اور عبادتوں میں افراط زیادہ تر ان قوموں میں دیکھی جاتی ہے جنکو اپنے مذہب کے سمجھنے میں غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مذاہب نے صرف زُہد اور تَبَتُّل کی تعلیم دی ہے اور زمین کی تمام چیزوں کے دائرہ سے بالکل باہر نکلجانیکا حکم دیا ہے۔ لیکن انکے پیرو اس بات سے غافل ہوگئے ہیں کہ اس قسم کے مذاہب کی عمر ایک خاص زمانہ تک محدود ہوتی ہے اور اُسکے گذرنے کے بعد انپر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان مذاہب سے صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ انسانی نفوس کو شائستگی کے ایک زیادہ اونچے درجہ کے لیے تیار کیا جاے۔ جسوقت تک انسانی طبیعت میں اُس درجہ کی قابلیت نہ پیدا ہو اسوقت تک اُسپر پہنچنا ناممکن ہے۔ اس دوسرے درجہ کی نسبت ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ خواہشات کی تحدید میں انتہائی

درجہ ہے جہاں انسان کا پہنچنا ممکن ہے اور وہ اصول اعتدال ہے۔

بیشک اعتدال کا اصول وہ عظیم الشان اصول ہے جسپر ہر چیز کا قوام اور ہر ایک چیز کی ہستی منحصر ہے۔ اگر اس دعوے کی تائید میں آپکو کسی دلیل کی ضرورت ہو تو تمام علوی اور سفلی کائنات پر نظر کرنا چاہئے آپکو معلوم ہوگا کہ زمین کے بسیط مادی ذرّات سے لیکر آسمان کے بڑے سے بڑے اور نورانی سیاروں تک زبان حال سے پکار کر کہہ رہے ہیں کہ انکا وجود صرف اعتدال کی بنیاد پر قائم ہے جسطرح ہر ایک چیز کا کمال صرف اعتدال کی طرف منسوب ہوتا ہے اسیطرح اُسکا اختلال سوائے عدم اعتدال کے اور کسیطرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ روئے زمین کے عقلا کے نزدیک اس بات میں کوئی شک وشبہہ باقی نہیں رہا کہ اعتدال کا اصول ایک ایسا قاعدہ ہے جسپر تمام کاروبار اور تمام جسمانی اور نفسانی ضرورتوں کی بنیاد ہونی چاہیئے۔ علامہ لاروس نے عبّاد اور زہّاد کے ایک گروہ کا حال لکھا ہے یہ گروہ خیال کرتا ہے کہ آخرت میں تقرب الٰہی کے اعلیٰ درجات صرف اُسی وقت حاصل ہوسکتے ہیں جبکہ وہ سخت ریاضات اور مجاہدات کے ذریعہ سے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں اپنی تمام نفسانی رغبتوں کو فنا کردیں اور نفس کو اُس کی ہر قسم کی خواہشوں سے محروم رکھیں۔ علامہ مذکور نے اس گروہ کی طرف ایسے وحشیانہ امور منسوب کیے ہیں جو سوائے ان لوگوں کے جو سخت جنون میں مبتلا ہوں کسی شخص سے سرزد نہیں ہوسکتے اسکے بعد لکھا ہے کہ "یہ لوگ جو نیچر کی تاثیر کو باطل کرنا چاہتے ہیں درحقیقت اپنی خواہشوں پر قربان ہورہے ہیں کیونکہ انھوں نے بجائے اسکے کہ وہ نفسانی خواہشات کو اعتدال کے ساتھ پورا کرتے رہیں بوجنون کے انکا باطل استیصال کرنا چاہا ہے"۔

نفسانی خواہشوں اور رغبتوں کے معاملہ میں افراط اور تفریط کے لحاظ سے

تمام قوموں کی یہی حالت تھی۔ حتیٰ کہ حقانیت کے آسمان سے اسلام کی روشنی نمودار ہوئی اور تاریکی کا وہ پردہ جو فضائل اور کمالات کے چہرہ پر پڑا ہوا تھا دور ہوا۔ قرآن مجید کی آیتوں سے افراط اور تفریط کرنیوالوں کو ملامت کی ہے اور اُنکو دنیا اور آخرت میں انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے اور اس بارہ میں نہایت حکمت کے ساتھ اعتدال کے اصول کو مستحکم کیا ہے

قرآن مجید کی آیات سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہمکو دنیا میں اسلیے نہیں پیدا کیا کہ وہ ہمکو ایسی عبادات شاقہ کی مصیبت میں مبتلا کرے جو انسانی احساسات کو فنا کرنیوالی ہیں، بلکہ یہ احساسات ہمکو اسلیے عطا فرمائے ہیں کہ ہم حکمت اور دانائی کے ساتھ تمام مرحلے طے کرکے انسانی کمال کے اُس درجہ کو پہونچ جائیں جو قدرت نے ہمارے واسطے قرار دیا ہے۔ اور ہمکو دکھلایا ہے کہ جسقدر جسمانی یا قلبی عبادات کا ہمکو حکم دیا گیا ہے اُس سے صرف یہی نتیجہ مقصود ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون"

اللہ تم پر کسیطرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا لیکن تمکو صاف ستھرا کرنا چاہتا ہے اور (نیز) یہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنا احسان پورا کرے۔ تاکہ تم اُس کا شکر کرو"

اسلام نے ہمکو صراحت کیساتھ بتلا دیا ہے کہ مذہب میں غلو کرنا ایسا امر نہیں ہے، جس کی خدا نے اپنے بندوں کو تکلیف دی ہو، بلکہ خدا کی ذات اس عیب سے منزہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دے۔ (لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا) ہمکو تاریخی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر قومیں مذہبی غلو کی بدولت جسکو صرف انکے خیالات نے ایجاد کیا تھا برباد ہو چکی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مذہبی غلو سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پیشتر بہت سی قومیں اس کی بدولت ہلاک ہو چکی ہیں" اسلام نے ان لوگوں کی طرف بھی توجہ مبذول کی ہے جو خیال کرتے ہیں کہ عبادت

میں اپنے آپکو ہلاک کردینا اور ریاضات اور مجاہدات شاقہ میں جسم کو گھلا ڈالنا خدا کے سامنے انکی شدت اخلاص کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسے لوگونکو للکارا ہے کہ وہ خدا کو ایسے وصف کے ساتھ متصف کرتے ہیں جو اُس کی صفات کمال سے خارج ہے۔ اور اُن کو متنبہ کیا ہے کہ یہ ریاضات اور مجاہدات جو اعتدال سے خارج ہیں نہ صرف بے مصرف اور محض بے سود ہیں بلکہ وہ خدا کی ناراضی اور اُسکے غصہ کا موجب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" جو شخص[۱] خدا کی رخصت کو قبول نہ کریگا اُسکے ذمہ مثل عرفہ کے پہاڑونکے گناہ ہوگا"

اسلام دینی اور دنیوی سعادت کو جامع اور دنیوی و اخروی زندگی کے اصول پر مشتمل ہے اسلیے نہ اُسنے رہبانیت اور تبتل کو جائز رکھا ہے اور نہ اُسنے قومی اور دنیوی کاروبار چھوڑکر پہاڑوں میں بیٹھکر عبادت کرنا مباح قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ تمام باتیں اسلام کے منافی اور غضب الٰہی کا موجب ہیں" روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص عبادت کی غرض سے پہاڑ میں جارہا۔ لوگ اُسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپنے اُس سے فرمایا کہ" تجھکو اور تم سے کیسکو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اسلام کے بعض مقامات میں ایک ساعت صبر کرنا چالیس سال تنہائی کی عبادت سے بہتر ہے"

مذہبی اعتدال کے لحاظ سے مذہب اسلام کی یہ حالت ہے نوع انسان کو دنیوی اور اخروی سعادت کیطرف لیجانیوالا ہے۔ نفسانی خواہشوں اور زینتوں کے معاملہ میں بھی وہ اعتدال کے اصول پر قائم ہے۔ ہم اوپر ثابت کرچکے ہیں کہ وہ کسی خواہش اور زینت کا قتل کرنا جائز نہیں رکھتا بلکہ وہ بلا افراط و تفریط کے انکو اعتدال کے درجہ پر قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً سخاوت ایک خصلت محمودہ ہے

---

[۱] اس حدیث کو احمد بن حنبل نے مسند میں ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

مگر اسلام مین وہ اُسیوقت تک شمار کیجاتی ہے جبکہ اعتدال کا لحاظ رکہا جائے لیکن اگر ایسا نہوگا تو وہ خصلت مذموم شمار ہوگی اور گناہ سمجھی جاویگی جس کی نسبت انسان کو جوابدہی کرنا پڑیگی۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"وآت ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا" "ولا تجعل یدک مغلولۃ الیٰ عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا"۔

"اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ایک کو اُسکا حق پہنچاتے رہو اور دولت کو بیجا مت اڑاؤ کیونکہ دولت کو بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بہائی ہیں اور شیطان پروردگار کا بڑا ہی ناشکر ہے"۔ اور اپنا ہاتہ نہ تو اتنا سکیڑو کہ گویا گردن میں بندہا ہے اور نہ بالکل اُسکو پہیلا ہی دو اگر ایسا کروگے تو تم ایسے بیٹہے رہجاؤگے۔ کہ تمکو ملامت بہی کرینگے اور تم تہیدست بہی ہوگے"

اسیطرح تواضع ایک محمود خصلت ہے جو انسان کو عزت اور شرف کے مقامات پر بلند کرتی ہے اور جس کی عادت ڈالنی کی اسلام نے ہمکو ترغیب دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر کوئی متواضع شخص بالفرض کنوے کے اندر ہو تو خدا ایسی ہوا کو بہیجتا ہے جو اُسکو بلندی پر لے آتی ہے۔ مگر اسی کے ساتہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمکو آگاہ کیا ہے کہ اُس میں اس حدتک افراط نہونا چاہئے جو ذلت کے درجہ کو پہونچ جائے اور ہمکو متنبہ کیا ہے بعض لوگ ایسے ہیں جنکے سامنے تواضع اور فروتنی اختیار کرنا بہتر ہے اور بعض لوگوں کے ساتہ ترفع اور خودداری اولیٰ ہے تاکہ ہر شخص جسطرح اپنی زبان سے ناصح ہوتا ہے اسیطرح وہ اپنے نمونہ سے ناصح ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص تمہارے لیے واجب نہیں سمجہتا

تو تم اُسکے لیے بھی واجب نہ سمجھو جو شخص تمہاری اسقدر تعظیم نہیں کرتا جسقدر کہ تم اُس کی کرتے ہو تو تم اسکے ساتھہ مت رہو اگر تم میری اُست میں تو اضع کرنیوالوں کو دیکھو تو اُسکے ساتھہ تواضع اور فروتنی سے پیش آؤ اور اگر متکبر وں کو دیکھو تو اُنکے ساتھہ تکبر کرو۔ متکبر کے ساتھہ تکبر کرنا باعث ثواب ہے "

غرضنکہ اسیطرح پر ہمکو اسلام اخلاق حمیدہ کے ٹھیک ٹھیک اندازہ کی تعلیم دیتا اور انکا حقیقی رستہ بتلاتا ہے تاکہ انسان نہ تو ایسا میٹھا ہو کہ لوگ اسکو کہا جائیں اور نہ ایسا کڑوا ہو کہ تھوک دیں جیسا کہ ایک حدیث کا مضمون ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جو تمدنی زندگی کے منافی اور اس کی ترقی میں سنگ راہ ہے۔

آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اُس قوم کے سرکشوں اور نافرمانوں کی بدی اور شرارت کی کیا نوبت ہو گی جسکے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ حد اعتدال سے تجاوز کر کے افراط کے درجے کو پہونچ گئے ہونگے۔ اگر شریروں سے ہر جرم میں معافی اور ہر گناہ سے درگذر اور ہر ایک شرارت سے چشم پوشی ہو گی تو انکی نالایقی اور ناہنجاری کس درجہ تک پہونچ سکتی بلاشک وشبہہ اسکا یہ نتیجہ ہو گا کہ سرکش زیادہ تر دلیری کیساتھ سرکشی اور جرائم کا ارتکاب کرینگے اور امن عامہ میں خلل انداز ہونگے۔ اور ہمیشہ کے لیے ادب اور تہذیب سے محروم رہینگے اور صرف یہی دونوں امر ہیں جنکی تکمیل سوائے سخت سزاؤں کے نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " دنیا میں خدا کی حدود کا قائم کرنا چالیس دن کی متواتر بارش سے زیادہ تر موجب سرسبزی ہے "

تمدنی زندگی کی ایسی حالتیں ہیں جنکی نسبت محض سرسری اور سطحی طور پر بھی گفتگو کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ اس زندگی کے مشکلات کے حل کرنے کے لیے تمام فطری قوتوں کی بیداری اور ہوشیاری اور تمام اعضا کی چستی و چالاکی

ور کار ہوتی ہے - بلکہ یہ ایک مسلسل اور دائمی جنگ ہے جس میں انسان اپنے یوم ولادت سے زندگی کی آخری رمق تک مصروف اور سرگرم کارزار رہتا ہے۔ انسان کے جسمانی اور نفسانی مطالب اور زندگی کی ضروریات نے اس جنگ کا اعلان دیا ہے ہر شخص جو دنیا میں رفعت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اُسکو اس ہولناک مقابلہ میں شریک ہونیکے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ خدا کی حکمت نے اس جنگ کی آگ کو اسلیے مشتعل کیا ہے کہ انسانی نفوس کی مخفی قوتیں ظاہر ہوں اور انسان اپنے اندرونی اسرار اور عجائبات سے غافل نہ رہے" ونبلوکم بالشر والخیر فتنة والینا ترجعون "

مثال کے طور پر خاندان کی حالت پر غور کرو۔ اگر کسی گھرانے کا سرپرست ضرورت سے زیادہ حلیم و سلیم ہو، اگر اُسکے اخلاق حمیدہ حد اعتدال سے اسقدر بڑھے ہوئے ہونگے کہ وہ اپنے خاندان کے بچوں کی تمام بدیوں اور شرارتوں سے درگذر کرتا رہیگا تو آپ خیال کرسکتے ہیں کہ اس خاندان کی اخلاقی حالت کیسی ہوگی - کیا اس خاندان کے بچے اپنی بدی اور شرارت پر زیادہ تر دلیر نہونگے ؟ بیشک جس خاندان کو بدقسمتی سے ایسا باپ میسر ہوگا اُس کی حالت میں بدنظمی اور اختلال واقع ہونا ایک امر لازمی ہوگا اس میں شک نہیں کہ ایسا باپ منصفانہ قانون کے اعتبار سے مجرم خیال کیا جائیگا اور اُسکو اخلاق کے ایک معتدل طریقہ کی طرف رہنمائی کرنا واجب ہوگا۔ اگر باعتبار خاندان کے یہ بات صحیح ہے تو باعتبار سوسائٹی کے زیادہ صحیح اور واضح ہوگی۔

اسلام نے انسانی نفوس کو خواہشات کی افراط و تفریط سے بچایا اور انسان کے لیے ایک ایسا معتدل طریقہ قائم کیا جو سنن عالم اور قوانین زندگی کے ساتھ بالکل مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے اور جس کی بدولت انسان کا نفس حقیقی آزادی حاصل کرسکتا اور نہایت امن و اطمینان کے ساتھ ترقی کی تمام

منزلیں طے کر کے کمال کے اعلیٰ مدارج پر پہونچ سکتا ہے۔

"وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔" "اور مسلمانو! جیسے ہمنے تمکو ٹھیک قبلہ بنا دیا ہے اسیطرح ہم نے تمکو بیچ کی اس کی امت ہی بنا دیا ہے تاکہ اور لوگونکے مقابلہ میں تم گواہ بنو اور تمہارے مقابلہ میں تمہارے رسول محمد گواہ بنیں۔"

تصحیح الاعتقاد

ہم گذشتہ فصلوں میں نفس کو اوہام کی غلاظتوں سے بذریعہ صحیح علم کے پاک صاف کرنے کی ضرورت پر گفتگو کر چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ نفسانی صحت کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ نفس کی تمام خواہشوں اور رغبتوں میں قانون اعتدال کا لحاظ رکھا جائے۔

اب ہم نفسانی سعادت کی نسبت بحث کرنا چاہتے ہیں اور بتلانا چاہتے ہیں کہ نفس کو کیونکر اطمینان حاصل ہوسکتا ہے۔

ہم بعض لوگونکو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جو جسمانی صحت سے متمتع ہیں دولت اور ثروت کا ایک معقول ذخیرہ انکے پاس موجود ہے اور مختلف علوم و فنون میں انہوں نے تعلیم و تربیت پائی ہے مگر باوجود ان تمام باتوں کے انکو ہر وقت ایک قسم کی اندرونی گھبراہٹ اور دلی بے اطمینانی اور بے چینی اور سخت حیرت محسوس ہوتی ہے جو انکی تمام راحتوں اور لذتوں میں مثل کانٹے کے کھٹکتی رہتی ہے انکو اپنے دل میں ایک ایسا تکدر اور ملال محسوس ہوتا ہے جسکا کوئی سبب ان کو معلوم نہیں ہوتا اور جو صرف اسیوقت زائل ہوتا ہے جبکہ آب آتشیں رنگ کا

ایک گلاس انکی عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اُسپر فریفتہ اور دلدادہ ہیں اور اُس کی مفارقت پر بالکل صبر نہیں کر سکتے کیونکہ انکے اندرونی رنج و ملال کی صرف یہی ایک دوا ہی

پس میں دریافت کرتا ہوں کہ باوجود جسمانی صحت اور مالی ثروت کے جن پر انسانی سعادت کا دار و مدار سمجھا جاتا ہے اس اندرونی بے چینی اور اضطراب کا کیا باعث ہے اور باوجود اُنھوں نے متعدد علوم و فنون کی تعلیم و تربیت پائی ہے جو وسوسوں کے امراض کے لیے ایک مجرب دوا خیال کی جاتی ہے اس وجدانی حیرت اور دلی وحشت کا کیا سبب ہے؟

کیا یہ اندرونی اضطراب ہمکو نہیں بتا رہا ہے کہ نفس کسی دوسری چیز کا مشتاق ہے جسکا علم اگرچہ انسان کو نہیں ہے مگر اُسکے آثار صاف صاف دلالت کر رہے ہیں؟ یہ چیز جسکا نفس مشتاق ہے نہ جسمانی صحت ہے نہ زیادتی دولت و ثروت نہ کثرت اولاد نہ عالیشان محلوں کی سکونت نہ مزیدار کھانوں کی لذت اور نہ نغمات موسیقی اور دیگر قسم کی عیش و عشرت ہے۔ بلکہ یہ تمام چیزیں اُسکے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور تمام کائنات اُسکے سامنے محض لاشی ہے۔ وہ کونسی جلیل القدر چیز ہے کہ اگر وہ حاصل ہو جاے تو نفس کو اطمینان اور سکون اور قناعت کی دولت حاصل ہو جاے؟ بلا شک و شبہہ وہ چیز صحت اعتقاد ہے۔ اسکی دلیل حسب ذیل ہے۔

نفس کی طبیعت ان ٹھوس اجسام اور بے شعور مادہ کی طبیعت سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسلیے وہ زمین کی حقیر اور ذلیل چیزوں کے ساتھ مانوس نہیں ہو سکتا بلکہ اُس کی طبیعت محض نورانی ہے اسوجہ سے وہ نورانی چیز کے ساتھ مانوس ہوتا ہے جو زمین کی کثیف چیزوں کی تاریکیوں کو روشن کرتی اور نفس کو اُسکے اعلیٰ اور قدسی مقامات پر پہنچاتی ہے۔ نفس کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ جسمانی خواہشات اور فانی لذات پر قناعت کر سکے خواہ انسان دولت و ثروت جمع کر کے اپنے نفس کو کتنا ہی مغالطہ دے مگر اس قسم کی باتوں سے اُسکے اضطراب میں سکون پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ایسے شخص پر

نفس متواتر حجت قائم کرتا رہتا ہے تاکہ اُسکو سیدھے رستہ کی ہدایت ہو۔ پس اگر وہ غور و فکر کرکے اس راز کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے اور نفس جس چیز کا مشتاق ہے اُسکے لیے مہیا کرتا ہے تو فوراً اُس اندرونی اضطراب میں سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے، اگرچہ انسان کیسے ہی سخت مصائب اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو۔ نفس کی یہ تمنا کس ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے؟ اسکا ذریعہ صرف عقل ہے" الدین ھو العقل ولا دین لمن لا عقل لہ"

عقل نوع انسان کی بہترین خصوصیت اور خدا کی افضل ترین نعمت ہے۔ جو انسان کو عطا ہوئی ہے جس مقصد کے لیے یہ عظیم الشان نعمت عطا ہوئی ہے اگر اُسی مقصد میں استعمال کیجائے اور اُس کی صحت اور اعتدال قائم رکھنے کے لیے توجہ مبذول کیجائے تو اُس سے حیرت انگیز نتائج ظاہر ہوتے ہیں عقل کے ذریعے سے انسان اس عظیم الشان عالم کے اسرار کا سراغ لگاتا اور قوانین فطرت جو اُسپر مسلط ہیں اُنکو دریافت کرتا ہے اور اسطرح خالق کے وجود اور اسکے افعال کے عبث سے منزہ ہونے پر استدلال کرتا ہے اور نیز اُسکے علم اس کی تدبیر اور رحمت حکمت اور قدرت پر ایسے محسوس دلائل مشاہدہ کرتا ہے جن میں شک و شبہ کی مطلق گنجایش نہیں ہوتی۔ انسان عقل کے ذریعے سے انسانی گروہونکے حالات پر غور کرتا اور اُنکی پستی اور بلندی اور ترقی اور تنزل کے اسباب کو دریافت کرتا ہے۔ عقل ہی سے انسان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں خوض کرتا ہے جنکو خدا مخلوق کی ہدایت اور تلقین کے لیے مبعوث فرماتا ہے اور انکی شریعت اور اسکے آثار میں غور کرکے جو اُنہوں نے چھوڑے ہیں نوع انسان کے لیے نبوت کی ضرورت پر خیالات اور احساسات اور مذاہب کے اختلافات سے خدا کی حکمت پر استدلال کرتا ہے عقل ہی کے ذریعہ سے انسان گذشتہ اور موجودہ حالات میں امتیاز کرتا ہے اور مذاہب خاصہ اور مذاہب عامہ میں فرق کرتا ہے اور علمی مسائل اور بدیہیات کے ذریعے سے اُس مذہب سے

اقف ہوتا ہے جو تمام مذاہب کا ختم کرنیوالا اور ابدالآباد تک باقی رہنے والا ہی۔

خدا کی حکمت اور قدرت اس امر کو مقتضی ہوئی کہ وہ کائنات کو ایک ایسی مستحکم ترتیب کے ساتھ پیدا کرے جو عذر کرنے والوں کے لیے خاموشی کی زبان میں بولتی اور فکر کرنیوالوں کے سامنے وضاحت کے لباس میں ظاہر ہوتی ہی۔

عقل سے عبرت حاصل کرنے کے بغیر نفس اپنے عقیدہ کی تصحیح نہیں کرسکتا اور اسی بنا پر اُسکے اضطراب میں سکون ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس سے انکار نہیں کہ نوع انسان پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے جبکہ انسانی عقل اپنے بچپن کی حالت میں تھی۔ اُسوقت ایمان لانے کے لیے اُسکو یہی بات کافی تھی کہ وہ بعض خارق عادات امور دیکھکر حیران ہو جاے۔ خداوندتعالے اپنے بندوں کی طرف پیغمبر مبعوث فرماتا تھا اور انکو ایسی خصوصیتوں سے ممتاز کرتا تھا جنکے اسرار دریافت کرنے سے اُنکی عقلیں قاصر ہوتی تھیں اور انکو حیرت دامنگیر ہوتی تھی اور اسلیے وہ اس قسم کے معجزات اور خارق عادات کو دیکھکر رسول کی صداقت اور انکے اتباع کی ضرورت پر ایمان لاتے تھے۔ مگر اسوقت جبکہ نوع انسان اپنے بچپن کے زمانہ سے گذر کر سن تمیز کو پہونچ چکی اور انسانی عقل کی تکمیل ہو چکی ہی معجزات اور خوارق عادات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ علمی مواد کی کثرت سے بیشمار شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے۔ اگر اسوقت کوئی عجیب اور غیر معمولی واقعہ ظاہر ہوتا ہے تو سب سے پہلے اُسکو مکاری اور عیاری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اگر اس اہتمام سے اُس کی بریت ظاہر ہو جاتی ہے تو اس عجیب واقعہ کی بیشمار وجوہ اور تاویلات کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یورپ میں روحانیوں (اسپرچولسٹ) کا ایک نیا گروہ پیدا ہوا ہے جس سے ایسے عجیب وغریب اور خارق عادات امور ظاہر ہوتے ہیں جنکو دیکھکر جُہلا سب سے بڑا معجزہ خیال کرینگے حالانکہ یہ گروہ نبوت اور رسالت کا مدعی نہیں ہی۔ اس میں شک نہیں کہ جو حیرت انگیز امور اس گروہ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی قسم سے

نہیں ہیں لیکن وہ بلاشک وشبہہ ظاہر ہیں لوگوں کی نظروں میں معجزات کی اہمیت کو بالضرور کم کرنیوالے ہیں۔

اس دعوے کی مؤید کہ ان اخیر صدیوں میں معجزات کے مسائل کو رواج نہیں ہو سکتا ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ علمائے یورپ گذشتہ زمانہ کے تمام معجزات کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ اگرچہ انکی ہٹ دھرمی ہے لیکن انکے اس قول کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا کہ "ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں اعتقاد کے لیے عقلی روشنی اور علمی دلیل کے سوا کوئی چیز مفید نہیں ہو سکتی۔ میسیو ہنری برنجیہ نے ریویو آف ریویوز مطبوعہ ۱۵۔ مارچ ۱۸۹۸ء میں لکھا ہے کہ "علم اور تاریخ سے ان تمام معجزات کا بطلان ثابت ہو چکا ہے (معاذ اللہ) مگر وہ روح کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے جو انکے لیے مبعوث ہوئی ہے۔ ہمکو کسی معجزہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا ابدالآباد تک باقی رہنے والا معجزہ یہ عظیم الشان عالم ہے جس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ یہ زندہ معجزہ ہمارے دینی احساسات کو بیدار کرنے کی تمام گذشتہ معجزات کی نسبت زیادہ تر صلاحیت رکھتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام معجزات اور خارق عادات سے قطع نظر کرکے عقلی بدیہیات اور علمی مسائل کے ذریعہ سے لوگوں کو راہ حق کی طرف دعوت کرتا ہے۔ کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جس میں انسانی عقول پر معجزات اور خوارق عادات کی نسبت علمی مسائل زیادہ تر موثر ہونگے۔ بیشک اسلام عقل کی طرف خطاب کرتا اور فکر سے محاسبہ کرتا ہے اور لوگوں کو خدا کے وجود اور اسکی توحید اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی طرف دعوت دیتا ہے مگر اسی کے ساتھ وہ انسانی عقل کو ان حسی دلائل اور براہین کی طرف متوجہ کرتا ہے جو ان مسائل کے مؤید ہیں۔

خدا کو معلوم تھا کہ بعض لوگ جو بڑائی اور عظمت حاصل کرنیکے خواستگار ہونگے وہ مذہب میں ایسی باتیں ایجاد کرینگے جن کے ذریعے سے وہ عوام الناس کو اپنا غلام اور اپنی

خواہشات کا تابع کرسکیں اسلیے اپنے اخیر مذہب میں جو مذاہب کا ختم کرنیوالا ہے، قرار دیا کہ اس قسم کی ہر ایک دعوت پر علمی دلیل طلب کرنا چاہیے کیونکہ یہی ایک چیز ہے جو حق و باطل میں امتیاز کرنیوالی اور اہل باطل کی ہمتوں کو پست کرنیوالی ہی خدا وند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

" فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ لیشتروبہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم و ویل لھم مما یکسبون "

" پس افسوس ہی اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھیں پھر لوگوں سے کہیں کہ یہ خدا کے ہاں سے اُتری ہی تاکہ اُسکے ذریعے سے تھوڑے سے دام یعنی دنیوی فائدے حاصل کریں۔ پس افسوس ہے اُنپر کہ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں لکھا اور پھر افسوس ہی انپر کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں۔ اے

" قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین "۔

پیغمبر اُن لوگوں سے کہو اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو "

مذہب اسلام ان لوگوں کو سخت ملامت کرتا ہے جو اپنے آبا و اجداد کی اندھا دھند تقلید کرنیکے عادی اور انکے باطل اعتقادات پر بغیر تحقیق اور غور و فکر کے ثابت قدم ہیں اور انجام کی خرابی سے ڈراتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

" واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اباءنا اولو کان اباءھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون "

" اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہی کہ جو قرآن اللہ نے اتارا ہی اُس کی اور رسول خدا کی طرف چلو اور جو حکم دیں سو مانو اسکے جواب میں کہتے کیا ہیں کہ جس طریقے پر ہمنے اپنے باپ دادوں کو پایا ہی وہی طریقہ ہمارے لیے بس کرتا ہی کیا یہ لوگ اُسی پرانی لکیر کے فقیر بنینگے اگرچہ اُنکے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ راہِ راست پر رہے ہوں"

اسلام نے قرار دیا ہی کہ قیامت کے دن کسی شخص کی یہ حجت مفید نہیں ہوسکتی کہ اُسنے دوسرے شخص کی تقلید کی ہی کیونکہ خود اُسکو بھی عقل دی گئی ہی جو حق و باطل اور نفع نقصان میں تمیز کر سکتی ہی۔ خدا نے فرمایا ہی۔

"واذ یتحاجون فی النار فیقول الضعفاء للذین استکبروا انا کنا لکم تبعا فھل انتم مغنون عنا نصیبا من النار۔ قال الذین استکبروا انا کل فیھا ان اللہ قد حکم بین العباد" "اور ایک وقت ہوگا کہ دوزخی ایکدوسرے سے دوزخ میں جھگڑینگے تو ادنی درجے کے لوگ بڑے لوگوں سے کہینگے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو اب تم تھوڑی سی آگ بھی ہم پر سے ہٹا سکتے ہو بڑے لوگ کہینگے کہ اب تو ہم تم سب اسی آگ میں پڑے ہیں اللہ تو اپنے بندوں کے بارہ میں جو کچھ حکم دینا تھا سو دے چکا"

"وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" "اور یہ لوگ دوزخ کے فرشتوں سے بھی کہینگے کہ اگر ہم پیغمبروں کے کہنے کو سنا یا سمجھا ہوتا تو آج کو دوزخیوں میں نہ ہوتے"

اسلام نے ہمارے سامنے نہایت بلیغ عبارت میں تصریح کی ہے کہ صرف قوی حجت پر مذہب اور اعتقاد کا دارومدار ہی۔ جس شخص نے اُسکو ضائع کردیا ہی اُسنے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے نفس کو سخت مصیبت میں ڈالا ہی کیونکہ اسکے ضائع کرنے سے ایک ایسی بڑی چیز ضائع کردی ہی جسپر قیامت کے دن اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے۔ خداوند تعالے نے فرمایا ہے۔

"ونزعنا من کل امۃ شھیدا فقلنا ھاتوا برھانکم فعلموا ان الحق للہ وضل عنھم ما کانوا یفترون" "اور ہر ایک امت میں سے ہم ایک گواہ یعنی پیغمبر کو الگ کر لینگے اور وہ کافروں کے خلاف گواہی دینگے پھر ہم امت کے لوگوں سے کہینگے کہ اپنی برأت کی دلیل پیش کرو اُس سے اُن لوگوں کو معلوم ہوجائیگا کہ حق بجانب خدا ہی۔ اور دنیا

میں جو ہی ہیسی جھوٹی باتیں دل سے بنایا کرتے تھے اُسدن سب اُن سے گئی گذری ہو جائینگی"

غرضکہ یہ قواعد ہیں جو اسلام نے اعتقاد کے بارہ میں قرار دیے ہیں اور یہ اُس عام مسلمہ اصول کے ساتھ بالکل مطابق ہیں جسپر ان اخیر صدیوں میں روے زمین کے جمہور حکما نے اتفاق کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس قول کی تائید دلائل سے نہیں ہوتی اُسکو بھول جانا چاہیئے۔ آپ خیال کرسکتے ہیں کہ ایک مسلمان کے عقائد میں جو اسلام کی حقیقت سے واقف ہے کیونکر انحراف واقع ہو سکتا ہے جبکہ وہ ہر وقت اپنے وجدان میں باطل اور اوہام اور گمراہیوں سے روکنے والی یہ آواز سنتا ہے۔

"ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر والفواد كل اولئك كان عنه مسئولا۔"

" اور اے مخاطب جس بات کا تجھکو علم یقینی نہیں اٹکل پچو اُسکے پیچھے نہ ہولیا کرو۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان سب سے قیامت کے دن پوچھ گچھ ہوتی ہے۔"

بلکہ ایک مہذب مسلمان ہوا و ہوس کی کشش سے کسطرح گمراہی اور کجروی اختیار کرسکتا ہے جبکہ قرآن مجید کی یہ آیت جس میں غافلوں کی حالت بیان کی گئی ہے جو گمراہی اختیار کرتے اور اُسپر قائم رہتے اور اپنے نفوس کو خرافات کی تصدیق کے لیے وقف کردیتے ہیں اُسکے صفحۂ دل پر منقوش ہے۔

"ولقد ذرأنا لجهنم كثيرا من الجن والانس لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغفلون"

" اور ہمنے بہیترے جن اور انسان جہنم ہی کے لیے پیدا کیے ہیں اُنکے دل تو ہیں مگر اُنسے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور اُنکی آنکھیں بھی ہیں مگر اُنسے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور اُنکے کان بھی ہیں مگر اُنسے سننے کا کام نہیں لیتے۔ غرضکہ یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ہوے۔ یہی لوگ ہیں جو دین سے بالکل بیخبر ہیں

اے خدا ! تو ہمکو اپنے دین میں بصیرت دے۔ جو سچی تہذیب اور حقیقی شائستگی کا دین ہی اور ہم کو اُس کی سیدہی راہ پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارے خیالات پر باطل اوہام کا جو زنگ آگیا ہے اُسکو اپنی رحمت سے دور کر۔ بیشک تو تمام دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنیوالا ہے۔

جسمانی ضرورتیں

نفسانی ضروریات کی نسبت ہم اپنی گفتگو ختم کر چکے ہیں اب ہمکو صرف جسمانی ضرورتوں کی نسبت گفتگو کرنا باقی رہا ہی۔ ان دونوں قسم کی ضروریات کے باہم متحد اور متناسب ہونے سے انسان کو روحانی اور مادی سعادت و فلاح حاصل ہوسکتی ہی جسکے لیے وہ ابتداے آفرینش سے لیکر اسوقت تک کوشش کر رہا ہی۔

مادی سعادت دو باتوں پر موقوف ہی۔ حفظان صحت اور جسمانی امور میں اعتدال۔ پس ہم ان دونوں کی نسبت علیحدہ علیحدہ فصلوں میں بحث کرتے ہیں۔

حفظان صحت

ہم پچھلی فصلوں میں بیان کر چکے ہیں کہ عقلی صحت جو انسان اور حیوان کے درمیان مابہ الامتیاز ہی جسمانی صحت کے ساتھ نہایت قوی تعلق اور گہرا ارتباط رکھتی ہے انسان کے حالات پر سرسری غور کرنے سے اس مسئلہ کی صداقت معلوم ہوسکتی ہے مہذب دنیا کے حکمائے نے اس مہتم بالشان بھید کا سراغ لگا لیا ہی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اصول حفظان صحت کی توضیح اور تنقیح میں جنسے قواے جسمانی کی حفاظت ممکن ہی

نہایت اہتمام کرتے ہیں تاکہ بچونکو عقلی قوت کے بڑہانے والے اصول کے ساتھ ساتھ ان اصول کی تعلیم و تربیت دیجائے - یہ اصول اُنہوں نے اس خیال سے قرار دیلے ہیں کہ تمام مذاہب جسمانی صحت کو برباد کرتے ہیں کیونکہ وہ آخرت کی ابدی نعمتوں کا صرف اُسی شخص سے وعدہ کرتے ہیں جو اپنے جسمانی امور سے بالکل یکسو ہوکر صرف روحانی خدمات میں مصروف رہے - اس سلسلہ میں اُنہوں نے مذاہب کی طرف بعض معیوب اور نامناسب باتیں منسوب کی ہیں، جنکو ہم اس مقام پر نقل کرنا ضروری نہیں خیال کرتے بلکہ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے حقیقی حفظان صحت کے قواعد مدون کرنیمیں جن کی بنیاد عقلی اور جسمانی صحت کے باہمی تعلق اور ارتباط پر ہے روے زمین کے تمام حکما پر سبقت کی ہے اور اُنکو منجملہ ایمانی اصول کے قرار دیا ہے اور اپنے تمام پیرؤنکو ان قواعد کی پابندی کرنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دی ہے - اور اس امر کی تصریح کی ہے کہ صحت خدا کی ان تمام نعمتوں میں جو انسان کو عطا ہوئی ہیں بہترین نعمت ہے - سوائے کلمہ توحید کے کوئی چیز علو مرتبہ میں اس سے افضل نہیں ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "معافی[1] اور صحت کی خدا کی جناب میں دعا کرتے رہو کیونکہ ایمان کے بعد صحت سے بہتر کوئی نعمت بندوں کو نہیں دی گئی"

اسلام نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُسنے حفظان صحت کے بنیادی اصول مثلاً صفائی اور پاکیزگی اور جسمانی اور عقلی ریاضت کی تاکید کی ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "پاکی[2] ایمان کا ایک حصہ ہے - کھیلوں[3] میں جو چیز خدا کے نزدیک زیادہ تر

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے - اسکو ترمذی نے ابو بکر سے روایت کیا ہے [2] یہ حدیث صحیح ہے اسکو مسلم اور ترمذی نے ابو مالک الاشعری سے روایت کیا ہے [3] یہ حدیث جسکو کامل بن عدی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے مگر مسلم میں ایک حدیث عقبہ بن عامر سے مروی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے - جو شخص تیر اندازی سیکھکر اُسکو ترک کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے -

پسندیدہ ہے وہ گھوڑدوڑ اور تیراندازی ہے وقتاً فوقتاً اپنے دلوں کی تفریح کرتے رہو"

مذہب اسلام امراض کو خدا کا عذاب خیال کرتا ہے جو قوانین فطرت کی مخالفت اور اصول حفظان صحت کی نافرمانی سے بندوں پر نازل ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مرض ایک خدائی تازیانہ ہے جس سے خدا اپنے بندوں کی تادیب فرماتا ہے" پس ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جب اُسکو کوئی مرض عارض ہو تو اُسکو اپنی زندگی کے معاملات میں اعتدال کی طرف رجوع کرنا چاہئے - اور یہ امر ایسے حاذق طبیب کے مشورہ کے بغیر ناممکن ہے جو طبی قواعد اور قوانین صحت میں پوری مہارت رکھتا ہو - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اے خدا کے بندو امراض کی دوا کیا کرو کیونکہ خدا نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا جس کی دوا نہ پیدا کی ہو" طبی قوانین میں مہارت کی قید ہم نے اسوجہ سے بڑھائی ہے کہ اسلام اُنکو مکاروں اور دجالوں کے دام فریب میں پہنسنے سے ہوشیار کرتا اور اُنکو سخت جوابدہی سے ڈراتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "من تطبب ولم یعلم منہ طب فھو ضامن"

پھر اگر حاذق طبیب کسی مرض کے علاج سے عاجز ہو جائیں اور معالجہ میں حتی الوسع کوشش کے بعد انسان کو کامیابی نہو تو اس صورت میں اسلام تکلیف پر صبر کرنیوالوں کے واسطے بہترین اجر آخرت کا وعدہ کرتا ہے - علاوہ ازیں ہمارا سچا مذہب جسمانی کمزوری کو منجملہ اُن امور کے شمار کرتا ہے جن کی وجہ سے انسان درجات کے حاصل کرنے میں پیچھے رہجاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اوقات کاروبار زندگی میں افراط اور مذہبی فرائض میں سستی اور کاہلی کا نتیجہ ہوتا ہے - اسیوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "قوی مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے"

لہ یہ حدیث صحیح ہے - اسکو ابوداود ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عمرو سے روایت کیا ہے - ۱۲

ترجمہ جو شخص باوجود علم طب سے ناواقف ہونیکے علاج کرتا ہے وہ ذمہ دار ہے - ۱۲

اسلام کسی مسلمان کے لیے کسی غرض سے حتیٰ کہ عبادت کی غرض سے بھی یہ بات جائز قرار نہیں دیتا کہ وہ اپنی صحت کے معاملہ میں غفلت اور سستی کرے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص نے بیان کیا ہی کہ مجھسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بر سبیل تہدید) فرمایا کہ اے عبداللہ[1] کیا مجھکو خبر نہیں دی گئی کہ تو ہمیشہ دن میں روزہ رکھتا اور تمام رات بیدار رہتا ہی میں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ آپنے فرمایا کہ ایسا مت کر۔ روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کر رات کو عبادت بھی کر اور نیند بھی لے۔ کیونکہ تیرے جسم کا بھی تجھپر حق ہی (کہ تو اُسکو زیادہ تکلیف میں مبتلا نہ کرے تاکہ بیمار اور ہلاک نہو جائے) اور تیری آنکھوں کا بھی تجھپر حق ہی اور تیری بیوی کا بھی تجھپر حق ہی اور تیرے مہمانوں اور ملاقات کرنیوالوں کا بھی تجھپر حق ہے جسنے ہمیشہ روزہ رکھا اُسنے روزہ ہی نہیں رکھا۔ ہر مہینہ تین روزے رکھ اور ہر مہینہ میں قرآن ختم کر۔ مینے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپنے فرمایا کہ تجھکو صوم داود کے مطابق روزہ رکھنا چاہیے جو افضل الصوم ہی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا۔ اور ہر سات راتوں قرآن ختم کر اور اس سے زیادہ مت پڑھا"

اس میں شک نہیں کہ یہ تمام قواعد ایک مسلمان کو حفظان صحت کا نہایت سخت پابند بنانے کے لیے کافی ہیں۔ اور یہی وہ غرض ہے جسکے لیے اس زمانہ کی فلاسفر کوشش کر رہے ہیں اور عام لوگونکے ذہن میں یہ بات نقش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ صفائی اور پاکیزگی اور حفظان صحت کا نہایت اہتمام رکھیں، تاکہ امراض میں کمی ہو اور متعدی بیماریوں کے مصائب میں تخفیف ہو۔

[1] یہ حدیث بخاری مسلم ترمذی ابوداود نسائی اور ابن ماجہ میں مروی ہی ہمنے بخاری اور مسلم کے الفاظ کے مطابق ترجمہ کیا ہی۔ ترمذی ابوداود ابن ماجہ اور نسائی میں بہ تغیر بعض الفاظ مروی ہی (مترجم)

جسمانی امور میں اعتدال

ہر شخص جانتا ہے کہ اُسکے پیچھے بہت سی جسمانی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں اور وہ سب کی سب بشرط اعتدال زندگی کے لیے لازمی ہیں مثلاً غذا جو زندگی قائم رکھنے کے لیے شرط اول ہے اگر بافراط استعمال کیجاوے یا اگر اس میں اصول حفظان صحت کا لحاظ نہ رکھا جاوے مثلاً متناقض الفعل غذائیں ایک ساتھ استعمال کیجائیں تو ایسی صورت میں وہی غذا موجب ہلاکت ہوجاتی ہے۔ اسیوجہ سے تمام دنیا کے اطبا اور ڈاکٹروں کا اسبات پر اجماع ہے کہ انسان کی صحت قائم رکھنے کا جو ذریعہ سب سے بڑا ہے وہ جسمانی خواہشات میں اعتدال ہے۔ یہی اصولی قاعدہ مذہب اسلام نے قائم کیا ہے۔ اُس نے لطیف اور پاکیزہ چیزوں میں سے کوئی چیز ہمارے لیے حرام نہیں کی۔ بلکہ اُسنے تمام صحت بخش چیزوں کا کھانا اور پینا مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ ہم حد اعتدال سے تجاوز نہ کریں۔ خدا نے فرمایا ہے

"قل من حرم زینت اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق" "کلوا واشربوا ولا تسرفوا"

"اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ اللہ نے جو زینت کے سامان اور کھانے کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اُنکو کس نے حرام کیا ہے" "کھاؤ اور پیو فضول خرچی مت کرو۔

اسلام میں زہد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ لذیذ اور نفیس چیزیں اور شیریں اور خوش ذائقہ پھلوں سے اجتناب کیا جاوے اور نفس کو اُس کی تمام خواہشات سے محروم رکھا جاوے۔ ایسا زہد جو تمدنی زندگی کے منافی اور تہذیب کی عمارت کو منہدم کرنیوالا ہے اسلامی اصول سے بالکل خارج ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم"

"مسلمانو! خدا نے جو ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال کردی ہیں۔ انکو اپنے اوپر حرام مت کرو

ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ وکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مومنون ،،	اور حد سے بھی مت بڑھو۔ کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور خدا نے جو تمکو حلال اور ستھری روزی دی ہے اُسکو بے تامل کھاؤ اور جس خدا پر تمہارا ایمان ہے اُس سے ڈرتے رہو ۔

بحث سے۔ اس سلسلہ میں ہم صرف اسقدر اور کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارا سچا مذہب دنیا کی نفیس اور صحت بخش کھانے کی چیزوں سے منع نہیں کرتا اسی طرح وہ ہمکو خوبصورت اور خوش آیندہ لباس کے استعمال سے بھی نہیں روکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " اگر کوئی شخص مقدرت رکھتا ہو تو اُسکے لیے کچھ ممانعت نہیں ہے کہ وہ دو کپڑے خاص کر جمعہ کے واسطے بنالے، علاوہ اپنے معمولی کاروباری کپڑے کے ،، مذہب اسلام نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ وہ ہمکو زیب وزینت کی ترغیب دیتا ہے، جبکہ وہ کسی گناہ اور نافرمانی کے لیے نہو، بلکہ اُس سے محض خالق کی رضا جوئی اور اُسکے گراں بہا فضل و انعام کا اظہار و اعلان مقصود ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " جس کسی کے[1] بال ہوں تو اُسکو اُنکی عزت کرنی چاہیے ،، یعنی کنگھا کرنا اور اُنکو آراستہ رکھنا چاہیئے اور نیز آپنے فرمایا ہے کہ " خدا ہر ایک چیز خوشبو والے اور اچھے لباس والے بندے کو پسند کرتا ہے ،، ایک شخص جو شکستہ حالت میں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپنے فرمایا کہ تیری دولت کسقدر ہے اُسنے کہا کہ ہر قسم کی دولت خدا نے مجھکو عطا فرمائی ہے۔ آپنے فرمایا کہ " جب خدا کسی بندہ کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اُس بندہ پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے "

[1] یہ حدیث صحیح ہے اسکو ابوداود نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

خاندانی فرائض

مہذب اور متمدن قوموں میں خاندانوں اور خاندانوں کو ایک نہایت مہتم بالشان چیز خیال کیا جاتا ہے کیونکہ قوم سے انکو وہی نسبت حاصل ہوتی ہے جو افراد کو چھوٹے چھوٹے خاندانوں سے ہوتی ہے کیونکہ افراد کی اصلاح کے لیے خاندانوں کی اصلاح لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوموں کے فلاسفر خصوصًا اس صدی میں اپنی تمام ہمت خاندانوں کی اصلاح اور افراد کو ان قواعد کی تعلیم دینے میں صرف کرتے ہیں جو علمی طریقہ پر خاندانی نظامات کی درستی اور اصلاح میں معاون ہیں۔ خاندانی سعادت وفلاح کا جو پوشیدہ راز ہے وہ دو اصولی باتوں پر منحصر ہے۔ اول ان کی ادبی اصلاح اور دوسری مادی اصلاح۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں باتیں خاندان کے سرپرست پر موقوف ہیں اور انکا ادا کرنا سچی شریعت کے نزدیک مثل بڑے بڑے فرائض کے لازمی ہے۔ غرضکہ اسطرح ہر خاندان کے سرپرست کے ذمہ دو فرائض عائد ہوتے ہیں جنکا ادا کرنا لازمی اور لابدی ہوتا ہے۔

پہلا فرض
خاندان کی ادبی اصلاح

ہر شخص کو خاندان کی ادبی اصلاح کا فرض ادا کرنے میں دو اصولی باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ وہ اپنی عورت کو تمام خاندانی معاملات میں اپنا شریک سمجھے اور اُس کی واجبی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے آپکو خاندان کے ان بچوں کا مربی اور سرپرست خیال کرے جو عنقریب مثل اسکے خاندان کے سرپرست اور اُس قوم کے ممبر ہونے والے ہیں جسپر ان کی اچھی یا بری تربیت کا اثر پڑیگا اور اس امر کا یقین رکھے کہ قوم میں کبھی ایسے افراد پیدا ہونگے جو کہ اُسکو ذلت اور ادبار کے تحت الثریٰ میں گرادینگے اور یہ دونوں باتیں صرف بچپن کی تربیت پر منحصر ہیں اور نیز یہ کہ خاندان کا سرپرست اُن تمام جرائم کا جواب وہ ہی جو اُسکے خاندان کے افراد سے بوجہ سوء تربیت کے سرزد ہوتے ہیں۔ یہی اصول ہیں جو جدید تمدن کی شریعت نے نافذ کیے ہیں اور جنپر خاندانی تربیت کے تمام مسائل کا دارومدار ہے۔

اسلام نے تمام دنیا سے پہلے ان اصول کو قائم کیا ہی۔ اُسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے عورتوں کی واجبی تعظیم و تکریم کی ترغیب میں فرمایا ہے کہ "جو[1] شخص صاحب عزت ہیں وہ عورتوں کی عزت کرتے ہیں اور جو پاجی ہیں اُنکی توہین کرتے ہیں" اور فرمایا ہے کہ "عورتونکو[2] انکی مرضی پر چھوڑ دو" قرآن مجید کی یہ آیت

---

[1] اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ما اکرم النساء الا کریم ولا اهانهن الا لئیم

[2] ابن عدی نے کامل میں اس حدیث کو ابن عمر سے روایت کیا ہی جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو ضعیف لکھا ہی۔ (مترجم)

"وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا" اس بات کی روشن دلیل ہے کہ بچوں کی تہذیب و تربیت میں عورت کو بہت کچھ دخل ہے۔

دوسرے اصول کو اسلام کے ساتھ منطبق کرنے کے لیے صرف ایک جامع حدیث کافی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر ایک راعی سے اس کی رعیت کی بابت سوال کیا جاویگا۔" اس نص صحیح سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کے تمام افراد کی ذمہ داری صرف باپ کی طرف عائد کی گئی ہے اور انکو اچھی خصلتوں اور شریفانہ عادتوں کے مطابق تربیت کرنا اسکے ذمہ فرض کیا گیا ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کریگا تو اس مجرمانہ غفلت کی نسبت کی اسکو جوابدہی کرنی پڑیگی اور اس سے کہا جائیگا "یا راعی السوء اکلت اللحم وشربت اللبن ولم تؤوا الضالۃ ولم تجبر الکسیر الیوم انتقم منک" (حدیث قدسی)

لہ ترجمہ کہ اے خداتو ان دونو پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن کی حالت میں مجکو پرورش کیا ہے۔

۲ہ اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے (مولانا خلیل احمد حفظہ اللہ)

۳ہ ترجمہ۔ اے نالایق چرواہے تو نے گوشت کھالیا اور دودھ پی لیا۔ نہ بھٹکے ہوئے کو پناہ دی اور ٹوٹے ہوئے کو جوڑا آج میں تجھ سے انتقام لونگا۔

دوسرا فرض

خاندان کی مادی اصلاح

جو باتیں ہمنے خاندان کی ادبی اصلاح کی نسبت بیان کی ہیں اُنکا عمل میں لانا بالکل مادی اصلاح پر منحصر ہے۔ کیونکہ سب سے اول جس ضرورت کا انسان کو احساس ہوتا ہے وہ جسمانی حفاظت کی ضرورت ہی مگر جو شخص اس اشد ضرورت کے متعلق کافی سامان مہیا نہیں کرسکتا اُسکے دل میں ادبی امور کے لیے کوشش کرنے کی تحریک ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی جس خاندان کی یہ حالت ہوکہ نہ اُسکے افراد کو کافی اور مناسب غذا میسر آسکتی ہو جس سے انکی زندگی قائم رہ سکے اور نہ ایسا مکان مہیا ہو جس سے وہ تیز بارشوں ۔ اور آندھیوں اور اولوں سے محفوظ رکھہ سکیں اور نہ ایسا لباس میسر ہو جس سے وہ گرمی سردی کی تکالیف سے محفوظ رہ سکتے ہوں، توآپ خیال کرسکتے ہیں کہ اس بدنصیب خانداں کی کیا نوبت ہو گی ؟ ظاہر ہے کہ یہ خاندان وحشت اور جہالت کے پست ترین درجہ میں پہونچ جائیگا۔ اور ضرورت کی وجہ سے اسکے افراد سے دناءت اور کمینہ پن اور نالایق اور ذلیل حرکتیں سرزد ہونگی۔ علاوہ ازیں اگر خاندان کو کافی غذا اور ضروری لباس و مکاں بھی میسر ہو تاہم یہ باتیں اُس خاندان کے حق میں کچھہ مفید نہیں ہوسکتیں، تاوقتیکہ اُسکے سرپرست کے پاس اسقدر کافی روپیہ موجود نہو کہ وہ اپنے بچوں کو اسکولوں اور کالجوں میں بہیج سکے اور اُنکے لئے معلم اور مربی مہیا کرسکے۔ ان تمام گذشتہ بیانات سے بالضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خاندان کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہی جو نہایت فیاضی کے ساتھہ اُسکے افراد پر اپنا روپیہ صرف کرے۔ اگر اسکے پاس روپیہ نہو گا تو بعض اوقات اسکے لیے یہ امر نہایت بدحالی

اور بدبختی کا باعث ہوگا۔

بلاشک وشبہہ یہی اصول اسلامی شریعت نے قائم کیے ہیں رسول خدا صلعم نے فرمایا ہی "جس[1] شخص کو خدا نے وسعت دی اور اُس نے اپنے عیال پر تنگی کی تو وہ ہم میں سے نہیں ہی" اور نیز فرمایا ہے کہ "مرد[2] جسقدر کہ اپنے بیوی بچوں اور خادموں پر صرف کرتا ہے وہ اُسکے لیے صدقہ اور باعث ثواب واجر ہے" خاندان پر صرف کرنے کے لیے اس سے زیادہ اور کیا ترغیب ہوسکتی ہی۔

مذہب اسلام نے جو عظیم الشان مرتبہ خاندان کو عطا کیا ہی اور اُسپر صرف کرنیکی تاثیرات کو جس حد تک تسلیم کیا ہے اُس کی کسیقدر توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہی کہ "ایک[3] دینار تونے خدا کی راہ دیا اور ایک دینار کسی غلام کے آزاد کرنے میں صرف کیا اور ایک دینار کسی مسکین کو صدقہ دیا اور ایک دینار تونے اپنے خاندان پر خرچ کیا ان میں سب سے زیادہ موجب اجر و ثواب وہی دینار ہی جو تونے اپنے خاندان پر صرف کیا ہے"

بیشک اسلام ہمکو نہ ایسے تقشف کا حکم دیتا ہی کہ ہم نفس کو تمام چیزوں سے محروم رکھیں اور نہ معیشت کو وہ اسقدر پست درجہ میں رکھنا چاہتا ہے جسکے ساتھ ہر قسم کی اخلاقی تہذیب نا ممکن ہو اور کبھی نہ کسی دن نفس کو مذہبی قیود کے بالکل توڑ ڈالنے پر آمادہ کرے

---

[1] اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے۔ گو اس کی سند ضعیف ہی مگر یہی مضمون اور صحیح حدیثوں میں بیان کیا گیا ہی (مترجم)

[2] اس حدیث کو طبرانی نے کامل میں ابی امامہ سے روایت کیا ہی یہ حدیث حسن ہی۔

[3] اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں اور مسلم ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے ثوبان سے روایت کیا ہی صرف الفاظ میں خفیف اختلاف ہی علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو صحیح لکھا ہے"

(مترجم)

جیسا کہ اکثر قوموں میں ہو چکا ہی بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام معیشت کی اصلاح میں کوشش کرنیکا ہمکو حکم دیتا ہے اور اُسکو مذہب کا حصہ قرار دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر شخص[1] کے لیے اپنی معیشت کی اصلاح کرنا ایک دانشمندانہ کام ہی جن امور سے تمہاری اصلاح ہوتی ہے اُنکی جستجو کرنا حبِ دُنیا نہیں ہی"

مگر کوئی شخص اپنی معیشت کی اصلاح اور درستی کس طرح کرسکتا ہی تاوقتیکہ وہ کسی کام اور پیشہ میں مصروف ہو جس سے اُسکو کافی آمدنی ہوتی ہو اسلیے ہمکو لازم ہے کہ ہم صاف طور پر بیان کریں کہ اسلام کی نظر میں مال اور کام اور پیشہ کی کسقدر عزت اور وقعت ہی تاکہ ان لوگوں کی حجت باطل ہو جو تمام مذاہب کی نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ انسان کو محنت اور پیشہ کی طرف سے نفرت دلاتے ہیں۔

---

[1] اس حدیث کو ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابی الدرداء سے روایت کیا ہی اسکی سند ضعیف ہی۔

مقام الجد والعمل فی نظر الاسلام

مختلف انسانی گروہین جو اسوقت کرۂ زمین پر زندگی کی کارزار میں مصروف ہیں انکی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ تسلط اور عروج حاصل کرنے مین وہی قوم سب سے زیادہ کامیاب ہوگی جو ایسے افراد سے مرکب ہے جنکو محنت اور کوشش اور کام کرنے سے الفت اور سستی اور کاہلی سے نفرت ہے۔ اسیلیے محنت اور کوشش کو منجملہ ان اہم قواعد کے شمار کرنا چاہیے جو نوع انسان کے افراد کو مہذب اور شائستہ بنانیوالے اور انکی زندگی اور استقلال کو محفوظ و برقرار رکھنے والے ہیں۔ بیشک اس زمانہ کے علماے تمدن ایسا ہی خیال کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مذاہب پر طعن کرتے ہیں کیونکہ انکا خیال ہے کہ مذاہب انسان کو سستی اور کاہلی پر آمادہ کرتے اور اسکو ذلت اور خواری کے غار میں گراتے ہیں۔

ہمکو اس کتاب میں یہ بات ثابت کرنا نہایت ضروری ہے کہ مذہب اسلام اس شرمناک الزام سے بالکل بری ہے اور اسکے قواعد محنت اور کوشش اور کام کرنیکی سخت ترغیب دینے والے اور سستی اور کاہلی سے نفرت دلانے والے ہیں۔

بیشک اسلام جسقدر ہمکو دنیوی زندگی کے لیے کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے اُسیقدر اخروی زندگی کے لیے کام کرنیکی ہدایت کرتا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دنیا[1] کے لیے تم اسقدر کام کرو گویا کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کیلئے اسطرحپر کام کرو گویا کہ تم کل ہی مرجاؤ گے" اور نیز فرمایا ہے کہ "تم اپنی دنیا کی اصلاح کرو اور آخرت کے لیے اسطرحپر کام کرو گویا کہ تم کل ہی مرجاؤ گے" ان دونوں حدیثوں سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ دنیوی خوش حالی خدا کی ناراضی کا باعث ہے

---

[1] بیہقی نے اپنی سنن میں اس حدیث کو ابن عمر سے روایت کیا ہے اسکی سند ضعیف ہے۔

اور وہ دنیا و مافیہا سے دست بردار ہو کر صرف عبادت اور ریاضت میں مصروف ہو گئے ہیں۔ انکو یہ بات معلوم نہیں کہ دنیا ایک میدان جنگ ہے جس میں ہر لحظہ و ہر آن کارزار کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ جو شخص کھڑا ہے وہ بیٹھے ہوئے پر غالب آجاتا ہے اور اُسکو غلام بنا کر زندگی کے تمام فوائد سے محروم کر دیتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں پر انسانی طبیعت حجت قائم کرتی ہے ان کی عبادت فسق اور انکا زہد جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو گذشتہ قوموں کی تاریخ سے ہمکو معلوم ہوتی ہے جنہوں نے اپنی مذہبی نصوص کی غلط فہمی سے دنیوی چیزوں اور دنیوی ضرورتوں سے اعراض کیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں طبعی حادثات چاروں طرف سے انکو محیط ہو گئے اور آخر کار انکی بدحالی کی نوبت عبرت انگیز درجہ تک پہونچ گئی۔

مگر مذہب اسلام نے جو انسانی ترقی کے آخری دور کا مذہب ہے اپنے اصول میں ایسی عبادتیں مقرر نہیں کیں جنسے قدیم زمانہ کی سرکش اور نافرمان قوموں کے نفوس کا معالجہ مقصود تھا۔ بلکہ اسلام نے قرار دیا ہے کہ جو کام زندگی کے قوانین کے مناسب اور نوع انسان کو ترقی دینے والی اور نفسانی رغبتوں کو حیوانیت کی سطح سے اونچا کرنیوالے اصول کے مطابق ہو وہ بلا شک و شبہہ خدا کی خالص عبادت ہے بشرطیکہ وہ محض للہیت اور صرف خدا کی خوشنودی کی غرض سے انجام دیا جاے۔ نہ کہ اپنی شیطانی خواہشات کے پورا کرنے کی غرض سے۔

چونکہ شخصی، خاندانی، قومی اور نوعی ضروریات کے لیے دولت کا کسب کرنا منجملہ ان امور کے ہے جو نوع انسان کو اُس رفیع الشان مرتبہ تک پہونچنے میں مدد دیتے ہیں جو خدا نے اُسکے لیے مقرر کیا ہے اسلیے اسلام نے کسب دولت کو انسان کے لیے افضل ترین عبادت قرار دیا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تمام اعمال میں افضل کسب حلال ہے"

ؔ اس صفحہ پر جسقدر حدیثیں مندرج ہیں ان میں بعض حدیثیں مجہول اور بعض ضعیف ہیں لیکن اس میں شک نہیں ہو کہ کسب حلال کی تاکید بہت سی صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتی ہے ۱۲ (مترجم)

اور نیز فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے عیال کے لیے جائز وسائل سے مال حاصل کرے اُسکا مرتبہ مثل اُس شخص کے ہی جو خدا کی راہ میں جہاد کر رہا ہی اور جو شخص جائز طور پر پاکدامنی کے ساتھہ دنیا طلب کرتا ہے اُسکا درجہ مثل شہیدونکے ہی"

یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اسلام صرف محنت اور کوشش کرنے اور دولت حاصل کرنیکی ترغیب دیتا ہے اور بس۔ بلکہ وہ ان امور کو ایک لازمی فرض قرار دیتا ہے اور ترک کرنیوالوں سے مواخذہ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حلال مال کا طلب کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض ہی"

مذہب اسلام دولت کو قومی زندگی اور قومی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کرتا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میری اُمت پر ایک ایسا زمانہ عنقریب آنیوالا ہی جسمیں لوگونکو اپنے دینی اور دنیوی امور کی درستی کے لیے درہم و دینار کی ضرورت ہوگی" آنحضرت کے اصحاب میں ایک دولتمند موجود تھے جنکا عطیہ ایک فوجی حملہ کی تیاری کے لیے کافی ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ظہور میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی تعریف میں فرمایا "نعم المال الصالح للرجل الصالح" کیا اسکے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلام دولت و ثروت کے منافی ہے خصوصاً ایسے زمانہ میں جسکی نسبت آپنے ہمکو خبر دی ہی۔ بیشک اس زمانہ میں ہم پر واجب ہی کہ ہم مذہب اسلام کے ان احکام کو ظاہر کریں جو اُسنے محنت اور کوشش اور کسب دولت کے باب ہمکو دیے ہیں تاکہ مسلمانونکو سستی اور کاہلی کی قید سے نجات حاصل ہو اور وہ تمام بدگمانیاں رفع ہوں جو بعض تعلیم اور تہذیب کے مدعی رکھتے ہیں۔ کیونکہ عام مسلمانوں میں مذہب کی طرف سے صرف ایسی ہی ہدایتیں پہونچتی ہیں جو اُنکو محنت اور کوشش اور کام کرنے سے نفرت دلاتی اور کسب دولت سے دور کرتی ہیں یہ ایک ایسی ہدایت ہے جس میں حکمت نبوی کی رعایت نہیں کی گئی ہی کہ قلوب کے معالجہ کے لیے موافق

اور مناسب ترمیم و تجویز ہونا چاہیئے۔

جس قسم کی ہدایتیں آجکل کے علما کررہے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سواں حصہ بھی دولت سے کراہت کرنیکا لوگونکو حکم دیتے تو غالباً صحابہ کرام میں ایک شخص بھی ایسا نہ ملتا جو ایک حبہ کا مالک ہوتا۔ کیونکہ وہ آپکے احکام کی نہایت سختی کے ساتھ اطاعت کرتے تھے۔ حالانکہ معاملہ اسکے بالکل برخلاف ہی کسب دولت کی ترغیب دینے والے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشمار حدیثیں اس زمانہ کی تمدنی کتابوں کی نسبت زیادہ تر ترغیب دیتی ہیں۔ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہی کہ "ولا تنس نصیبک من الدنیا"[1] اور فرمایا ہی کہ "فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ"[2] رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ "دنیا ایک اچھی سواری ہی تم اُسپر سوار ہو جاؤ وہ تمکو آخرت میں پہونچا دیگی" اور نیز فرمایا ہی کہ تم میں بہتر وہ ہی جو نہ آخرت کی وجہ سے دنیا کو چھوڑے اور دنیا کی وجہ سے آخرت کو چھوڑے بلکہ اُسکو بھی لے اور اسکو بھی" اور نیز فرمایا ہے کہ "حلال کا طلب کرنا بمنزلہ جہاد کے ہی"

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ایک چست وچالاک اور قوی نوجوان کو دیکھا جو سخت محنت کررہا تھا اُنہوں نے کہا افسوس ہی کاش اس شخص کی جوانی خدا کی راہ میں صرف ہوتی۔ آپنے فرمایا کہ ایسا مت کہو کیونکہ اگر وہ اپنی ذات کے لیے اس غرض سے محنت کررہا ہے اور اگر وہ اپنے ضعیف ماں باپ یا چھوٹے بچوں کے لیے محنت کرتا ہے تو بھی وہ خدا کی راہ میں ہی اور اگر وہ فخر و مباہات کی غرض سے محنت کرتا ہے تو شیطان کی راہ میں ہی" اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کسب دولت

[1] اور دنیا جو تیرا حصہ ہی اُسکو فراموش نہ کر۔

[2] پس تم زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل یعنی معاش کی جستجو میں لگ جاؤ۔

تاکہ وہ لوگوں سے مستغنی ہو جاوے اور سوال کرنے کی اسکو حاجت نہو تو وہ خدا کی راہ میں محنت کررہا ہے۔

کی برائی بھلائی کا سبب اُس کی نیت کے نتائج ہیں اگر غرض نیک ہے تو نیکی کا سبب ہوگا اور اگر شیطانی (بد) ارادہ ہے تو گناہ کا باعث ہیں تو اس صورت میں گناہ کا باعث ہو سکتا ہے وہاں پر اگرچہ وہ جائز وسائل ہی سے کیوں نہ حاصل کی گئی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص فخر و مباہات کی غرض سے حلال مال جمع کرتا ہے [illegible] وہ ایسی حالت میں ملیگا کہ خدا اُس پر غضبناک ہوگا اور جو [illegible] اپنی آبرو کی حفاظت کی غرض سے مال حاصل کرتا ہے قیامت کے دن اس کا چہرہ [illegible] چودھویں رات کے چاند کے چمکتا ہوگا۔"

یہ حدیث اس بحث میں قول فیصل ہے۔ اب صرف ان لوگوں کی نسبت گفتگو کرنا باقی رہ گیا ہے جو اس قول سے استشہاد کرتے ہیں کہ رزق مقسوم ہے اور محنت اور کوشش سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بیشک ہم سب سے زیادہ اسکا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن جو کچھ خدا کے علم میں ہے ہم اُسکے دریافت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہمکو کیا معلوم ہے کہ ہماری کوشش رائیگاں جائیگی۔ ہمکو ہرگز مناسب نہیں کہ ہم اپنی نافہمی سے ایسے خیالات خام کو پختہ کریں جو محنت اور کوشش اور اسلام کے سیدھے سے باز رکھنے والے ہیں۔

اسلام نے قرار دیا ہے کہ خدا اپنے بندوں میں بلحاظ اُنکی ہمت اور کوشش کے رزق تقسیم کرتا ہے۔ پس جس کی کوشش اور محنت زیادہ ہوگی اُسکو رزق کا زیادہ حصہ ملیگا اور جس کی کم ہوگی اُسکو کم۔ اور یہی قاعدہ ہے جو لوگوں کو زندگی کے میدان میں متواتر کوشش کرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ کیونکہ اُنکو یقین ہوتا ہے کہ اُن کی محنت کا ثمرہ ضرور اُنکو ملیگا۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے "خدا اپنے بندوں کو بقدر اُنکی ہمت اور نیت سے عطا فرماتا ہے۔"

مذہب اسلام صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ ہر ایک معاملہ میں ہمت اور پیشقدمی

کامیابی کا سب سے بڑا راز ہی اور کاہلی اور گمنامی محرومی اور فقر و فاقہ کا باعث ہی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دلیر تاجر کو رزق ملتا اور نامرد تاجر محروم رہتا ہے" اسلام اپنے پیروؤں کو بلند آواز سے پکار کر کہتا ہی کہ زندگی کے لیے بالکل غیر متغیر اصول فطرت ہیں جو شخص انکا مقابلہ کرتا ہی وہ خدا کے ارادہ کا مقابلہ کرتا ہی اور جو شخص اپنے کاروبار میں انکے مطابق چلتا ہے وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے اور رزق بھی مقررہ اصول فطرت کے تابع ہیں جو شخص انکے خلاف چلتا ہی وہ محروم رہتا ہے اور جو انکی پیروی کرتا ہے وہ رزق حاصل کرتا ہی۔ کسب کا اہم اصول یہ ہی کہ صبح سویرے اٹھکر اپنے کاروبار میں نہایت کوشش کے ساتھ مصروف ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی "جو شخص کوشش کرتا ہی وہ اپنا مقصود حاصل کرتا ہی اور ہر ایک کوشش کرنیوالے کو اسکا حصہ ملتا ہے" عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جو ایک ایسے شخص ہیں جن کی اقتدا مسلمانوں پر واجب ہی فرمایا ہے کہ "کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہی کہ تلاش رزق سے بیٹھ جائے اور دعا کیا کرے کہ اے خدا مجھکو رزق دے کیونکہ تمکو معلوم ہی کہ آسمان سے چاندی اور سونا نہیں برستا" باوجود ان باتوں کے ہم محنت اور کوشش کے مسئلہ میں ہر ایک معارضہ اور مجادلہ کرنیوالے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ساکت کر سکتے ہیں آپنے فرمایا ہی کہ "کوشش کرو کیونکہ کوشش تم پر فرض کی گئی ہی"

علاوہ ازیں اسلام اپنے پیروؤں کو ترغیب دیتا ہے کہ اگر انکو ایک مقام پر کسب دولت میں دشواری ہو تو وہ ایسے مقام میں ہجرت کر جائیں جہاں وسائل معیشت آسانی کے ساتھ مہیا ہو سکیں اور اس فقر و فاقہ سے اپنے آپکو محفوظ رکھیں جسکی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ "فقر قریب ہی کہ کفر کے درجہ کو پہونچ جاوے"

اور دوسروں پر ہرگز بار نہ ہوں۔ بیشک اسلام اپنے پیرو ونکو حصول رزق میں کوشش کرنے کی ترغیب دیتا ہے اگرچہ انکو دور دراز ممالک میں سفر کرنا پڑے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" سفر کرو صحت اور رزق حاصل کرو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار کا انہیں صاف صاف طریقوں پر عمل تھا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ" صحابہ کرام بری اور بحری تجارتیں کرتے اور اپنے باغوں میں کاروبار کرتے تھے۔ جو شخص صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تاریخ کو بنظر غور مطالعہ کریگا اُسکو ہمت اور جفاکشی اور اولوالعزمی کے ایسے نمونے نظر آئینگے جنپر درحقیقت نوع انسان کو فخر کرنیکا حق حاصل ہے۔ اُسکو معلوم ہوگا کہ ایک چھوٹی سی جماعت جو پہاڑوں اور گھاٹیوں کے درمیان گوشہ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی اور فقروفاقہ میں کوئی قوم اس کی برابری نہیں کرسکتی تھی پستی اور گمنامی کا غبار اپنے کپڑوں سے جھاڑتی ہوئی اٹھی اور جو آیتیں اور حدیثیں سنے اور نقل کی ہیں اُنپر عمل کرنا شروع کیا اور اُنکو ہر وقت نصب العین رکھا اور اسکا نتیجہ ہوا کہ ۸۰ برس کی مدت میں حکومت اور تسلط اور اقتدار کے لحاظ سے وہ اسقدر عظیم الشان درجہ کو پہونچگئی جو رومیوں کی سلطنت کو آٹھ سو برس میں نصیب نہیں ہوا۔ اُسنے دنیا کو ایسے طریقے کے ساتھ مسخر کیا جو کسی طرح جبری نہیں کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اگر رومیوں کے جبر و تعدی کیساتھ اُسکا مقابلہ کیا جاے تو وہ بالکل اختیاری اور رضا و رغبت کا طریقہ تھا۔ اسلام کی اول صدی کی تاریخ کو مطالعہ کرنا چاہیئے اُس میں ہمتوں اور اولوالعزمیوں کے ایسے عجائبات نظر آئینگے جن کی توصیف سے ہمارا بیان قاصر ہے اور جسکے مقابلہ میں اس زمانہ کی شائستہ اور مہذب قوموں کی ہمتیں اور اولوالعزمیاں گرد ہیں۔

پس جبکہ گذشتہ زمانہ کی حالت یہ تھی تو اب وہ اسلامی ہمت اور اولوالعزمی کیا ہوئی اور اُسکے بجاے ذلت اور عاجزی ہمپر کیونکر مسلط ہوگئی حتی کہ ہم ان شریفانہ خصلتوں

اور پاکیزہ عادتوں سے بھی محروم ہو گئے جو ہمارے اسلاف کی عورتوں میں شائع تھیں۔

اسلامی امت نے صرف موجودہ ذلت اور عاجزی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُسنے اپنے بعض عالموں اور پیشواؤں کی زبان سے اس ذلیل حالت کو نفس اسلام کی طرف منسوب کیا ہے جو خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے آخرت اور دوسروں کے لیے دنیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے بلکہ اسلام کے لیے دنیا و آخرت دونوں ہیں۔

"وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیرا للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ولدار الاخرۃ خیر ولنعم دار المتقین"	"پرہیزگاروں سے قرآن کے بارہ میں پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا تو جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا جن لوگوں نے بھلائی کی اُنکے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور انکا آخری ٹھکانا تو اس سے بھی کہیں بہتر ہے اور پرہیزگاروں کا آخرت کا گھر کیسا عمدہ ہے"
"ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"	"اے ہمارے پروردگار ہمکو دنیا میں بھی خیر و برکت اور آخرت میں بھی خیر و برکت"

جو کچھ مسلمان کر چکے ہیں آئندہ اس سے زیادہ اپنے دین پر ظلم نہیں کرنا چاہیئے اور انکو اسلام پر عقل و فکر کے ساتھ غور کرنا چاہیئے تاکہ انپر ثابت ہو جائے کہ وہ صرف اپنی خواہشات اور اپنے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں اور باطل خیالات اسلام کیساتھ شامل کر کے اہل یورپ کو اُس کی نسبت التفات کرنے سے نہیں روکنا چاہتے ہیں مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ نہایت قریب آیندہ زمانہ میں وہ وقت آنیوالا ہے جبکہ اسلام یورپ میں ایسی رونق اور شان کے ساتھ ظاہر ہوگا جو زمانہ نبوت کے مشابہ ہوگی۔

"سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم	"عنقریب ہم اُن لوگونکو اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا کے اطراف میں بھی دکھائینگے اور انکے اپنے درمیان میں

انہ الحق " بھی یہانتک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ قرآن برحق ہے"
"انہ کان وعدہ مفعولا" "یہ خدا کا وعدہ ہے جو ہو کر رہیگا"

تمدنی فرائض

کوئی شخص ہر ایک زمانہ میں عموماً اور اس شائستگی اور تمدن کے زمانہ میں خصوصاً ان حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا (اول) یہ کہ وہ کسی قوم کا ممبر اور اُسکے قوانین کا محکوم ہوگا اور اُس قوم کے دیگر ممبروں کے ساتھ زبان اور اعتقادات اور طبعی خصوصیتوں میں شریک ہوگا (دوم) کسی ایسی قوم کے ساتھ جو عادات اور اعتقادات میں اُسکے منافی ہیں وطنیت و محکومیت کا تعلق رکھتا ہوگا (سوم) جس قوم کا وہ ممبر ہے وہ دیگر قوموں کے ساتھ جو تمام یا اکثر حیثیتوں میں اُس قوم سے مختلف ہیں اپنی مصلحتوں کے باعث سے مصالحت اور مسالمت رکھتی ہوگی۔ (چہارم) انکے ساتھ بوجہ اختلاف مسائل زندگی کے عداوت رکھتی ہوگی۔ پہلی تین حالتوں سے کوئی عظیم الشان زندہ قوم خالی نہیں ہو سکتی۔ لعض اوقات یا اکثر اوقات چوتھی حالت بھی اپنا طاری ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم اکثر مہذب اور شائستہ قوموں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ملک گیری کی ضرورتوں اور ذاتی مصلحتوں کے باعث سے جنگ و جدل کا سلسلہ برابر جاری رکھنے کے لیے مجبور ہوتی ہیں اگرچہ وہ چھوٹے چھوٹے قبائل ہی کے ساتھ ہو۔

یہ تقسیم جو ہمنے اوپر بیان کی ہے اُسپر سرسری نظر کرنے سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ طبعی تقسیم ہے جسکے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ وہ عام مہذب اور غیر مہذب موجودہ اور گذشتہ قوموں کی زبان حال ہے اس تقسیم کے بعد ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر ایک انصاف پسند

شریعت کا فرض ہے کہ وہ ان چاروں قسموں کے لیے جدا جدا احکام نافذ کرے جن کی پابندی رعایا پر واجب ہو۔ اور یہ احکام حقیقی عدالت اور دنیا کے قوانین فطرت کے بالکل مطابقت اور موافقت رکھتے ہوں یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسکا نفاذ اور جس کی تکمیل حقیقی عدالت کے اصول کے مطابق اسوقت تک، سوائے مذہب اسلام کے دنیا کی کوئی شریعت نہیں کر سکے۔ اس کی تفصیل مع دلائل حسب ذیل ہے۔

اسلام دنیا کو انہیں چاروں قسموں پر منقسم کرتا ہے جن کی توضیح ہم اوپر کر چکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک قسم کے لیے خاص خاص احکام نافذ کرتا ہے جن کی پابندی اور نگہداشت مسلمانوں پر فرض ہے۔ نوع انسان کے افراد کی تقسیم اسلام کی نظر میں حسب ذیل ہے (اول) مسلمان (دوم) ذمی یعنی وہ اہل کتاب یہود اور نصاریٰ جو اسلام کی حمایت میں ہوں اور اسلامی قوانین کے محکوم ہوں (سوم) حکومت اسلام کے ساتھ معاہدہ یا صلح رکھنے والے (چہارم) حکومت اسلام کیساتھ جنگ و حرب رکھنے والے۔ اب ہم علیحدہ علیحدہ ان فرائض کی نسبت گفتگو کرتے ہیں جو ان چاروں میں ہر ایک کی نسبت مسلمانوں کے ذمہ عائد کیے گئے ہیں۔

(۱) مسلمانوں کے فرائض ایک دوسرے کے ساتھ

ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اسی نظر سے دیکھے جیسا کہ حقیقی اخوت اور محبت کا اقتضا ہے اور تمام طبعی اور سیاسی حقوق میں مساوات کا برتاؤ کرے۔ بیشک ہر ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی قوم کے تمام افراد کو اختلاف جنسیت اور اختلاف رنگ اور اختلاف عادات سے قطع نظر کرکے اپنا بھائی سمجھے اور ان میں سوائے شخصی فضائل اور کسبی خوبیوں کے کوئی چیز مابہ الامتیاز نہ ہونی چاہئے۔ اس مابہ الامتیاز کا فیصلہ بھی صرف خدا کے سپرد ہونا چاہیے اور عادلانہ قانون کے مقابلہ میں اس امتیاز کی کوئی خصوصیت نہ ہونی چاہئے۔

مسلمانوں میں باہمی محبت ایمان کی شرائط میں سب سے پہلی شرط ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مومن نہ ہو اور تم ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرو" یہ محبت جو باہم مسلمانوں میں ہو بالکل پاک اور سچی اور حقیقی ہونی چاہئے جو ریا کی کدورتوں سے صاف ہو ورنہ وہ محبت نفاق خیال کی جاویگی۔ اور اس منافقانہ محبت کا بھانڈا اگر آج نہ پھوٹا تو کل ضرور پھوٹے گا۔ اسلیے نہایت ضروری اور لابدی ہے کہ اس محبت کو پاک صاف اور خالص بنانے میں ایسی ہی کوشش کیجاے جیسے ایمان کو کفریات سے محفوظ رکھنے کے لیے کیجاتی ہے۔ اور یہ مقصد اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان تعلقات میں کافی غور نہ کیجاے جو انکو اپنے اہل قوم کے ساتھ ہیں اور ان فوائد و نتائج کا حقیقی علم حاصل نہ ہو جو افراد قوم کے ساتھ خالص محبت رکھنے اور ان سے الگ رہنے سے پیدا ہوتے ہیں ان امور میں غور و فکر کرنیوالا اگر زندگی کی حقیقت اور اس کی تکالیف سے واقف ہے تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا کہ اس کی زندگی قوم کی زندگی پر منحصر اور

قوم کی موت سے اُس کی موت لازمی ہے۔ اور جب اُسکو یہ یقین حاصل ہو جائیگا تو بلا شک وشبہ اپنی قوم کے افراد کے ساتھ خالص محبت کرنے کے لیے مجبور ہو گا جیسا کہ مہلک سیلاب سے بھاگ کر کسی مستحکم اور بند قلعہ میں پناہ لینے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔

یہ پاک اور خالص محبت جس کی طرف اسلام دعوت کرتا ہے ہر قسم کی قومی سعادت وفلاح کا اصل اصول اور حقیقی شائستگی کا سرچشمہ ہے۔ مہذب اور متمدن قوموں کے حالات کو دیکھو اور اُنکے اجزا و افراد میں غور و تامل کرو تمکو معلوم ہو گا کہ جس قوم کے اجزا میں باہمی اتصال اور جسکے افراد میں باہمی ارتباط زیادہ تر ہو گا وہی قوم سعادت و فلاح کے میدان میں سب سے زیادہ پیش قدم ہو گی ایسی قوم اگر گرتی ہے تو جلد اُٹھتی اور جب غافل ہوتی ہے تو جلد تر ہوشیار ہو جاتی ہے۔ اگر وہ کسیوقت ایسے حال میں دیکھی جاتی ہے کہ اُسکے بیرونی معاملات میں سخت پیچیدگیاں واقع ہو رہی ہیں اور اُس کی زندگی کے وسائل معرض زوال میں ہیں اور ان وجوہ سے اُس قوم کی تباہی اور بربادی کا گمان غالب بلکہ قریباً یقین ہوتا ہے تو اسکے بعد وہ اپنی پیچیدگیوں کو سلجھا کر چاروں طرف اپنے حریفوں کو للکارتی ہوئی نظر آتی ہے اور بغیر ہتیار وسنگ اُنکو منتشر اور پراگندہ کردیتی ہے یہ اسی اتصال اور ارتباط کے اسرار میں سے ہے جو باہمی محبت کا نتیجہ ہے اور جس ارتباط نے ہمارے اسلاف کو ترقی اور کامیابی کی بلندی پر پہونچایا تھا اُسکا ایک تھوڑا سا حصہ اس زمانہ کی قوموں میں پایا جاتا ہے جسنے اُنکو موجودہ ترقی کے درجہ پر پہنچادیا ہے جو آجتک کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ باہمی عداوت اور نفاق کے بعد یہ ارتباط ان کو مذہب اسلام کے آسمانی احکام پر عمل کرنے کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ باہمی محبت کی ضرورت میں جسقدر نصوص اسلام میں وارد ہوئے ہیں اگر ہم اُنکو نقل کرنا چاہیں تو ہمکو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہو گی لہذا ہم صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں جو ان لوگوں کے ضعف اسلام پر دلالت کرتی ہے جو اسلام کے مدعی ہیں اور اپنے

مسلمان بھائیوں کے فائدہ سے قطع نظر کرکے صرف اپنے ذاتی کاروبار میں مصروف رہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" جس شخص نے ایسی حالت میں صبح کی کہ وہ مسلمانوں کی فکر سے خالی ہے تو وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے"

اس مقام پر ہم بعض تاریخی واقعات بھی درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ صدر اسلام کے گروہ میں کسقدر محبت اور اخوت موجود تھی تاکہ اس زمانہ کے مسلمانوں کو عبرت ہو اور انکو معلوم ہو کہ اسوقت کے مسلمانوں کے درمیان ایسی برادرانہ محبت تھی جو اسوقت دو حقیقی بھائیوں کے درمیان بھی نہیں ہوسکتی۔ حذیفہ عدوی کہتے ہیں کہ یرموک کے دن میں اپنے ساتھ تھوڑا پانی لیکر اپنے ایک چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا اس خیال سے اگر اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہوگی تو یہ پانی اسکو پلاؤنگا اور اسکے چہرہ پر چھڑکونگا۔ اچانک وہ مجھکو ملگیا۔ مینے کہا کہ پانی پیوگے۔ اشارہ کیا کہ ہاں۔ اسیوقت قریب سے آواز آئی آہ پانی ہوتا مجھکو اشارہ کیا کہ ادھر جاؤ اور اسکو پلاؤ۔ میں اسکے پاس پہنچا وہ آواز ہشام ابن العاص کی تھی میں نے کہا کہ پانی پیوگے اشارہ کیا کہ ہاں۔ ناگاہ آواز آئی کہ آہ پانی ہوتا۔ ہشام نے اشارہ کیا کہ اسکو پلاؤ میں وہاں پہنچا تو وہ ختم ہوچکا تھا میں وہاں سے فوراً ہشام اور اپنے چچازاد بھائی کی طرف واپس آیا دیکھا کہ وہ بھی انتقال کرچکے ہیں" ان پاک روحوں کو دیکھو جو ایسے کٹھن وقت میں بھی اپنے دوسرے بھائیوں کے خیال سے غافل نہوتی تھیں جبکہ ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کا خیال نہیں کرسکتی۔ ان نفوس قدسیہ کی حالت پر غور کرو جو جاں کنی ہولناک ساعت تک بھی بتلا دلیری کیسا تھ ایثار پر ثابت قدم رہتے تھے" ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ"

اسکے بعد ان اوصاف پر غور کرو جو اس محبت کے لیے لازمی ہیں اور جن پر انسان فخر کرتا اور جن کی بدولت وہ حیوان سے ارفع واعلیٰ ہونیکا دعوی کرتا ہے۔ کیا اس عجیب وغریب ارتباط کے بعد بھی جو ہمارے اسلاف میں موجود تھا ہم ان کی عظیم الشان

فتوحات کی سرعت اور وسعت پر تعجب کرسکتے ہیں جو باوجود بے سروسامانی اور تعداد کی قلت کے انکو حاصل ہوئیں۔ ۹ یہ سچی محبت قوم کے تمام افراد غریبوں اور امیروں دولتمندوں اور فقیروں کے درمیان موجود تھی۔ حکام کی حکومت اور رئیسوں کی ریاست انکو محبت کے فرائض ادا کرنے سے باز نہیں رکھتی تھی۔

اسلامی قوم کے رگ و ریشہ میں اسی حقیقی محبت کے جاری اور ساری ہونے سے آزادی اور مساوات اور عدالت کی بنیاد مستحکم ہوئی جسکا ایک خفیف حصہ بھی بغیر اسلام کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسکے متعلق ہم کسی اور وقت تفصیل کیساتھ گفتگو کرینگے۔

علاوہ ازیں اسلام نے ہر ایک مسلمان کے ذمہ قوم کی حمایت اور اُمت کی بہبودی میں کوشش کرنیکا فرض عائد کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ سب سے افضل عبادت جو خدا کو محبوب ہے وہ عام مسلمانوں کی فلاح و بہبودی میں کوشش کرنا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " اسلام کے بعض مقامات تم میں سے کسی کا صبر کرنا تنہائی میں چالیس برس تک خدا کی عبادت کرنے سے بہتر ہے " اور نیز فرمایا ہے " دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا عام نماز دل اور روزہ دل سے بہتر ہے " اور نیز فرمایا ہے " ایک دن کا انصاف ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے جسنے کسی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت براری کی گویا کہ اُسنے تمام عمر خدا کی عبادت کی " جسنے کسی اپنے مسلمان بھائی کی کار برآری میں رات میں یا دن میں کوشش کی خواہ وہ کام پورا ہو یا نہوا ہو ہر حالت میں یہ کوشش دو مہینہ کے اعتکاف سے افضل ہے "۔ جو شخص کسی علم کی بابت سوال کیا گیا اور اُسنے چھپایا تو خدا قیامت کے دن اُسکو آگ کی لگام دیگا۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان احادیث شریف میں غور کریگا جنکو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں تو اُسکو معلوم ہوگا کہ مذہبوں کے نازل کرنے سے خدا کا ہرگز یہ مقصود

نہیں ہی کہ لوگ جسمانی عبادت اور ریاضت اور زہد وتقویٰ میں اپنے آپکو ہلاک کرڈالیں بلکہ خدا کا مقصود انسانی گروہ کو مہذب اور شائستہ بنانا اور انکو تمدن اوج کمال پر ترقی دینا مقصود ہی۔ تم نے غور کیا ہو گا کہ مذہب اسلام کہتا ہی کہ ایک کلمۃ آمیز کلمہ دو مہینے کے اعتکاف سے افضل ہی اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا تمام نمازوں اور روزوں سے بہتر ہے۔

اے خدا تو مسلمانوں کو اپنے مذہب میں غور کرنے کی توفیق عطا فرما اور انکو اپنے ذہنوں سے اوہام اور خرافات کے دور کرنے کی ہمت دے تاکہ وہ اسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ جن آنکھوں سے اسکا دیکھنا مناسب ہی۔ جو ہمنے اوپر نقل کی جو شخص انکو سمجھتا ہے اسکو محقق طور پر ثابت ہو جائیگا کہ اسوقت مسلمانوں نے بلحاظ تنافر اور تحاسد اور تباغض کے جو ان میں پایا جاتا ہے اسلام کو پس پشت ڈال دیا ہی اور وہ خواہشات کی پیروی کرنے سے خدا کی ناراضی کے مستوجب ہو گئے ہیں۔ بیشک ان احادیث سے ہمکو صاف معلوم ہوتا ہی کہ باہمی بغض وعناد اسلام کے بالکل منافی ہی بلکہ ایسا کرنا اسلام سے بالکل نکلجانا ہی کیونکہ خدا نے اس مذہب کو بعض خاص افراد کے لیے نازل نہیں کیا ہی بلکہ وہ عام گروہ کے لیے نازل ہوا ہی کیونکہ اسکے اکثر احکام ایسے ہیں جنپر باہمی اتحاد واتفاق کے بغیر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے" اسلام جماعت کا زیادہ تر محتاج ہے بہ نسبت اسکے جسقدر جماعت اسلام کی محتاج ہی۔"

الرق فی الاسلام

ہم اس فصل کو ختم کرنے سے پیشتر ناظرین کو مذہب اسلام کے وہ احکام دکھلانا چاہتے ہیں جو اُسنے غلاموں کی نسبت نافذ کیے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کی توضیح کرنے سے بہت سے اہم فوائد حاصل ہونگے اور انسانی عدالت اور آسمانی عدالت کے درمیان جو عظیم الشان اور بیّن فرق ہے وہ ہمکو معلوم ہو جائیگا۔ جو حقوق ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر آپ پڑھ چکے ہیں وہ پوری طرح منطبق ہیں۔ پس وہ اسلامی شریعت کے مطابق اپنے آقاؤں کے بہائی ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "تمہارے غلام تمہارے بہائی ہیں جنکو خدانے تمہارا ماتحت کیا ہے"۔ پس کسی بڑے سے بڑے شخص کو کسی ادنی مسلمان جبشی غلام پر فخر کرنیکا حق حاصل نہیں ہے۔

ایک خاص روایت جس سے اس موقع پر استشہاد کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ ابوذر غفاری رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کسی غلام سے مناقشہ کر رہے تھے اور اُس سے خفا ہوکر کہنے لگے۔ کہ اے کالی عورت کے بیٹے۔ اُنہوں نے اس کلمہ کو پورا نہیں کیا تہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی طرف دیکھا اور فرمایا کہ "انسان سب برابر ہیں۔ سوائے نیک اعمال کے کسی گوری عورت کے بیٹے کو کالی عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں ہے"۔ عبدالرحمن بن عوف جب اپنے غلاموں کے ساتھ نکلتے تھے تو چونکہ آقا اور غلاموں کے لباس یکساں ہوتے تھے اور برابر چلتے تھے اسلیے کسی شخص پہچان نہیں سکتا تہا کہ یہ آقا ہیں اور یہ غلام ہیں۔ آثار میں مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ ایک مرتبہ اپنے غلام کے ساتھ بازار میں تشریف لے گئے اور دو کپڑے خریدے جن میں ایک کپڑا دوسرے کی نسبت زیادہ قیمتی تہا قیمتی کپڑا آپ نے غلام کو عطا فرمایا اور کم قیمت اپنے واسطے

رکھا۔ غلام نے عرض کی کہ آپ اسکے زیادہ تر مستحق ہیں۔ آپنے فرمایا کہ ہرگز نہیں بلکہ تو ہی اسکا زیادہ مستحق ہے کیونکہ تو نوجوان ہے۔ اور میں تو بڈھا ہو گیا ہوں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سردار ابوبکر نے ہمارے سردار بلال کو آزاد کیا۔ اب یہ امر قابل غور ہے کہ صحابہ کرام کے خیالات میں جو زمانہ جاہلیت میں عرب کے مطلق العنان بادشاہ تھے مساوات کی محبت کس درجہ راسخ ہو گئی تھی کہ حضرت عمر جیسے جلیل القدر شخص حضرت بلال کو صرف انکی ذاتی قابلیتوں کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور انکے رنگ اور جنسیت کا کوئی خیال نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت عمر مرض الموت میں مبتلا ہو کر انتقال فرمانے لگے اور آپنے اپنا کوئی جانشین تجویز کرنا نہ چاہا تو وفات کے وقت کہتے تھے کہ اگر ابو حذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں خلافت کو شوری پر منحصر نہ رکھتا۔

پس اے ناظرین کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں کوئی ایسی مثال آپ کی نظر سے گذری ہے اور دنیا کی قوموں سے کسی قوم میں آزادی اور اخوت اور مساوات کی بنیاد اس درجہ مستحکم ہوئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی عجیب مساوات انیسویں صدی کے خاتمہ تک کسی فلاسفر کے خواب و خیال میں بھی نہیں گذری تھی اور نہ اس زمانہ کا کوئی مقنن خیال کر سکتا ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اور شائستہ قوم میں جو عدل و انصاف میں ممتاز ہو اس قسم کی مساوات پیدا کرنا ممکن ہے۔ پس اس حالت میں کون شخص مجھکو ملامت کر سکتا ہے اگر میں باواز بلند یہ کہوں کہ یہ مساوات انتہائی درجہ کی مساوات ہے جس کا انسانی گروہ میں پیدا ہونا ممکن ہے، اور یہ کہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں جو اس عظیم الشان اصول کی اشاعت اور تعمیم میں قدم بڑھا رہی ہیں وہ اسلامی مساوات سے قریب ہوتی جاتی ہیں اور کون شخص مجھکو جھٹلا سکتا ہے اگر میں یہ کہوں کہ یہ حقیقی مساوات اسوقت تک صرف اسلامی کتابوں کے اوراق میں لکھی گئی ہے۔ اے خدا! تو اپنی رحمت

سے مسلمانوں کو اپنے مذہب کی خوبیوں کے سمجھنے کی ہدایت فرما، اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اگر اسلام ایسا ہی مذہب ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے اور وہ غلام و آزاد کے درمیان ایک اعلیٰ درجہ کی مساوات قائم کرتا اور غلاموں کے ساتھ اسقدر رحمت اور شفقت ظاہر کرتا ہے جس کی نظیر نوع انسان کی تاریخ میں نہیں مل سکتی ہے کہ اُسنے آزاد کو بعوض غلام کے قتل کرنا اور غلام کو بعوض آزاد قتل نہ کرنا قرار دیا ہے تو پھر اس بات کی کیا وجہ ہے کہ اُسنے غلامی کا پورا استیصال نہیں کیا اور بالکل نیست و نابود نہیں کیا؟ کیا غلامی کا ابطال بت پرستی کے ابطال سے زیادہ دشوار تھا؟ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اسلام ایک عام مذہب ہے اور وہ دنیا میں اسیلیے آیا ہے کہ اُسکے احکام کی تعمیل اور اُس کی ہدایات اور تعلیمات کی پیروی کیجائے اور یہ صرف اسیوقت ممکن ہے جبکہ اُسکے اوامر اور نواہی انسانی فطرت کے مطابق ہوں جسپر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ضرور ہے کہ انسانی خواہشوں اور رغبتوں کے مناسب ہوں جن کی تاثیر انسان پر بالضرور پڑتی ہے اور ان قوانین فطرت پر منطبق ہوں جو نوع انسان پر ایسلیے مسلط ہیں کہ اُسکو بتدریج وحشت اور جہالت کی تاریکی سے نکالکر تمدن اور تہذیب کی روشنی میں پہونچائیں۔ ان قوانین فطرت کا وجود علماے تمدن مثلاً اوجست لکنت اور ہوگل اور ہربرٹ اسپنسر H. Spencer وغیرہ کو محسوس ہو گیا ہے کیونکہ اُنہوں نے دیکھا ہے کہ نوع انسان باوجود ان فتنہ و فسادات و خونریز لغاوتوں اور لڑائیوں کے ایک ایسے سلسلہ کے ساتھ ترقی کرتی جاری ہے جسکے تمام حلقے ایک دوسرے کے ساتھ بالکل منتظم اور وابستہ ہیں اور جن میں کسی وجہ سے تخلف نہیں ہو سکتا۔ ان علماے تمدن کا قول ہے کہ یہ تمام دشواریاں جو کہ سرسری نظر میں ترقی سے روکنے والی معلوم ہوتی ہیں درحقیقت یہی وہ موثرات ہیں

جو انسان کو آگے کی طرف بڑھا رہی اور ترقی کی بلندی پر لیجا رہی ہیں - پس وہ تمام حکمت کی باتیں جو فلاسفروں کی زبان یا اُنکے قلم سے نکلتی ہیں خواہ وہ سادہ لوح سامعین کو کیسی ہی اونچی اور قیمتی معلوم ہوں مگر تاہم یہ ہرگز خیال نہیں کیا جا سکتا کہ قوم کے ہر ایک طبقے کے لیے اُنپر عمل کرنا ممکن ہے - یہ صرف اُسیوقت ہو سکتا ہے جبکہ انکے ساتھ انسان کی تدریجی ترقی کے اصول کا لحاظ کیا جاے اور حکمار کا ان اصول کی رفتار پر مطلع ہونا ایک سخت اور بعید الحصول امر ہے -

جو شخص انسان کی عقلی اور مادی ترقی کے جو بتدریج حاصل ہوئی ہے مختلف دوروں پر غور کریگا اُسکو عیانی طور پر معلوم ہو جائیگا کہ قوم ترقی کے کسی خاص دور میں صرف اُسیوقت داخل ہوتی ہے جبکہ اُسکو بحیثیت مجموعی اُس دور کے استعداد حاصل ہو جاتی ہے - آزادی اور مساوات کے اصول کی روشنی مغربی افق پر کسی فلاسفر یا حکیم کے وعظ و نصیحت سے نمودار نہیں ہوئی - بلکہ قوم میں بحیثیت مجموعی پیشتر اسکی استعداد اور قابلیت موجود ہو گئی تھی اور وہ اپنی موجودہ شکل کے سوا دوسری شکل کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی یہ بحث نہایت وسیع ہے اگر اس بحث میں قلم کی باگ ڈھیلی کر دی جاے تو بیان میں بہت طوالت ہو گی جو اس مقام پر مناسب نہیں ہے -

انہیں بنیادی قواعد کے مطابق جو بالکل ثابت اور مسلم ہیں مذہب اسلام نے اپنے احکام میں ان اصول فطرت کی رفتار کی جو نوع انسان پر مسلط ہیں ایسے طور پر رعایت کی ہے جو غور کرنیوالوں کے لیے موجب حیرت ہے - اس حالت میں کہ ہم ان وضعی قواعد کو دیکھتے ہیں جو کسی گذشتہ زمانہ میں قوموں کے لیے باعث ترقی تھے اسوقت ہرگز موجودہ حالت کے مناسب نہیں ہیں حالانکہ اسلام کے قواعد بدستور اپنی پہلی رونق اور تازگی کو لیے ہوئے ہیں اور باوجودیکہ اُنپر صدیاں گذر چکی ہیں مگر اُنکی شباب کی حالت میں بالکل فرق نہیں آیا - وہ ہر قوم کے مناسب اور ہر ایک

استعداد اور قابلیت کے مطابق ہیں اور رہیں گے اس کی یہ وجہ ہے کہ اسلامی قواعد بذات خود نوع انسان کو ترقی دینے والے اصول ہیں جن کی تلاش میں علمائے تمدن ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک سرگرم ہیں۔

یہ تمہید جو ہمنے اوپر لکھی ہے اس سے ہم اس امر پر استدلال کرنا نہیں چاہتے کہ غلامی اسلام کا ایک ضروری قاعدہ ہے جو اسوقت بھی باقی رہنا چاہیے۔ بلکہ ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے اپنے ابتدائی زمانہ میں کس وجہ سے غلامی کو باطل نہیں کیا اس مقصد کے لیے علامہ لاروس (ایک فرنچ فلاسفر) کے قول سے زیادہ کوئی قوی دلیل نہیں ہوسکتی جو اسنے دائرۃ المعارف میں لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "لڑائی نے نوع انسان کو بہت کچھ فائدہ پہونچایا حتی غلامی کا اصول جو لڑائی کا بدترین نتیجہ ہے ایک عظیم الشان فائدہ سے خالی نہیں رہا اس بات سے ناظرین کو تعجب نہ کرنا چاہیے کیونکہ نوع انسان کی ترقی بعض اوقات ایسے وسائل سے حاصل ہوتی ہے کہ جن کی نسبت گمان بھی نہیں ہوسکتا۔ غلامی کی بدولت عورت کو قید کی ذلت سے آزادی حاصل ہوئی۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر کے نزدیک بہائم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ لیکن جب گھروں میں غلاموں کا سیلاب آیا تو عورت کی تکلیفات بہت کچھ کم ہوگئیں اور شوہر کی نظر میں ایک حدتک اُسکو عزت حاصل ہوگی۔ کیونکہ خاندان میں ایک اجنبی شخص کے داخل ہونے کے بعد خاندان کے ممبر ایک دوسرے کا احترام کرنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں نے عورت پر بہت اچھا اثر کیا اور اُسکو اس قابل بنادیا کہ وہ تہذیب کے ایک درجہ پر ترقی کرے اور عورت کی ترقی سے نوع انسان کو ترقی حاصل ہو۔ مگر اسوقت غلامی کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ انسان کے ذمہ سے سخت محنت کا بار ہلکا ہوگیا ہے اور جرثقیل کے آلات نے انسان کو بہت سی مشقتوں سے سبکدوش کردیا ہے"

پس ہم دعوے کرتے ہیں کہ اگر اسلام تیرہ صدیوں سے پیشینہ غلامی کو باطل کردیتا تو یہ حکم اصول فطرت کے خلاف ہوتا اور اپنے پیرودں کو ترقی اور تہذیب سے باز رکھتا مگر اُسنے غلامی کو حکمت اور عدالت کے دائرہ میں تصور کر کے برقرار رکھا اور آقا اور غلام دونکو ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جن میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں ہوسکتی اسلام نے غلامی کو صرف ان مذہبی لڑائیوں میں مباح قرار دیا جو غیر مسلمان وحشی قوموں سے واقع ہوں۔ حالانکہ اسوقت دوسری قوموں نے غلامی کے ایسے طریقے اختیار کر رکھے تھے جنسے انسان کو سخت نفرت ہوتی ہے اور جنکو تیوان بھی قبیح سمجھتے ہیں علاوہ ازیں اسلام نے غلامی کو ایک تنگ دائرہ میں محصور کرنے پر اکتفا نہیں کی، بلکہ غلاموں کو ایسے حقوق عطا فرمائے ہیں جو زیادہ تر مہذب اور شائستہ ملکوں میں آزاد لوگونکو بھی نصیب نہیں تھے۔ اگر وحشی قوموں کو معلوم ہوتا کہ مسلمان اپنے غلاموں کا کسقدر خیال رکھتے اور کس درجہ ان پر مہربانی اور شفقت کرتے ہیں تو وہ اپنے جگر گوشوں کو بطور غلامی کے انکی خدمت میں بامید قبولیت پیش کرتے جیسا کہ شفیق باپ اپنے بیٹے کو کسی علمی مدرسہ کے مہتمم کی خدمت میں پیش کرتا ہے تاکہ وہ کسی دن آدمی بنکر نکلے۔ اور درحقیقت جبکہ مسلمانوں کے غلاموں کے باپ اور بھائی جنگلوں اور بیابانوں میں مارے مارے پھرتے تھے اسوقت یہ لوگ اسلامی سوسائٹی میں نہایت آرام اور عزت کے ساتھ رہتے تھے اور ملکی اور جنگی صیغوں میں اکثر اشخاص مثلاً بلال اور سالم اور سلمان بہت بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ میں اس آزادی اور مساوات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو مسلمانوں میں موجود تھی۔ کہ اگر سوڈان کے بادشاہوں کو معلوم ہوتا کہ عمر بن الخطاب جنکے نام سے بڑے بڑے جبار بادشاہوں کے تخت لرزتے تھے ایک غلام کو (سیدنا) کہکر خطاب کرتے ہیں تو وہ اپنی سلطنت سے اُترکر اپنے آپکو بطور غلام کے اُس قوم کی خدمت میں پیش کرتے جو اپنے غلاموں کو بوجہ

انکی ذاتی خوبیوں اور شخصی فضیلتوں کے اپنا سردار بنائی تھے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام نے غلامی کو بالعموم اور ہمیشہ کے لیئے برقرار رکھا ہے اور کوئی ایسا اشارہ نہیں کیا ہے جس سے ایک عقلمند آدمی سمجھ سکے کہ وہ کسی دن ایک برا طریقہ خیال کیا جائیگا جیسا کہ آجکل ہی ؟ بیشک اُسنے اس بات کی طرف صریح اشارہ کیا ہے جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور جس کی کسی طرح پر تاویل نہیں ہو سکتی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بدترین[1] مال آخر زمانہ میں غلام ہونگے"

مذہب اسلام کے ان علمی معجزات پر غور کرو اور ان لوگوں کے اقوال کی تکذیب کرو جو اُسکی نسبت ایسی بے بنیاد تہمتیں لگاتے ہیں جو سراسر وہم اور خرافات ہیں مثلاً یہ کہ اسلام غلاموں کو حیوان خیال کرتا ہے اور انکی خرید و فروخت کے لیئے نخاس قائم کرنے کو ایک امر مستحب قرار دیتا ہے اسی قسم کی اور خرافات ہیں جو مجمعوں میں پڑھی گئیں اور بہت سے سامعین کو یاد ہیں لیکن ضرور ہی کہ آخر کار حق غالب اور باطل مغلوب ہوگا" ولتعلمن نبأہ بعد حین"

---

[1] اس حدیث کو ابونعیم نے حلیہ میں ابن عمر سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہی۔
(جامع الصغیر سیوطی)

حقوق الذمیین

جو شخص ابتدائے آفرینش سے لیکر آجتک انسانی تاریخ پر غور کریگا اُسکو محقق طور پر ثابت ہو جائیگا کہ انسان کے دل میں اپنے مذہب کی نسبت تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہی وہ نہایت خوشی اور کشادہ دلی کے ساتھ اپنے جان و مال اور اہل و عیال کو مذہب کی تائید اور حمایت میں قربان کرنا گوارا کرتا ہی۔ اس دینی محبت کو قوموں نے غلط طور پر سمجھا ہے اور اُسکو افراط کے اُس درجہ پر پہنچا دیا ہے جو نہایت ہولناک ہی حتیٰ کہ ہر قسم مظالم اور سخت جرائم کا ارتکاب مذہب کی حمایت اور ملحدوں کی بربادی کے سلسلہ میں اُنکو آسان ہو گیا۔ اس قسم کی تمام شورشیں صرف اسوجہ سے برپا ہوئیں کہ دیندار لوگ انسانی زندگی کے اصول فطرت اور سوسائٹی کے قوانین سے ناواقف تھے۔ جس سے ایسے ناگوار نتائج پیدا ہوئے جو اِن متعصب قوموں کی تاریخ میں یادگار ہیں۔

مذہب اسلام جو درحقیقت شائستگی کا مذہب اور انسانی سعادت و فلاح کا سرچشمہ ہے اُسنے اپنے پیروؤں کے لیے ایک ایسی شاہراہ قائم کر دی ہی کہ اگر دنیا کے فلاسفر اپنی پوری قوت کے ساتھ کوشش کریں تاہم وہ اپنی قوموں کے ذہنوں میں ایسے سچے اور صاف اصول قائم نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اُنکو عام خیالات پر کیسا ہی تسلط اور اقتدار حاصل ہو۔ درحقیقت یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کے دلوں سے بغیر اُسکے کہ مذہبی محبت میں کچھ کمی آئے مذہبی کینے کے نکالنے میں کسطرح کامیاب ہوا حالانکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس قوم کو اپنے مذہب سے زیادہ تر محبت ہو اُسیقدر مذہبی مخالفوں کے ساتھ اُس کی عداوت بڑھی ہوئی ہوتی ہے؟ بیشک اُسنے ایسے طریقے سے کامیابی

حاصل کی ہو جو نہ آج کل کے پیشوایان شائستگی سے سنا گیا ہے اور جس کی آواز علمی دنیا سے صرف اُسیوقت سے آنی شروع ہوئی جب سے علمائے انسان اور حکمائے نفسانی اسرار اور شائستگی کی تاثیرات سے واقف ہوئے ہیں۔ جبکہ اکثر مذاہب کے پیشوا اپنے پیروؤنکو خطاب کرکے کہہ رہے تھے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ تمام انسانوں کو ایک متحد گروہ ہونا چاہیئے ان سب کا مذہب بھی ایک ہو انکے اخلاق و عادات بھی یکساں۔ اس خدائی اصول کی تائید میں تمکو حتی المقدور کوشش کرنا چاہیئے کیونکہ نوع انسان میں باہمی اختلاف خدا کو سخت ناپسند ہے اُسوقت خدا نے حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ وحی نازل فرمائی تھی۔

"لوشاء ربک لجعل الناس امة واحدة ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقهم" "ولوشاء ربک لامن فی الارض کلهم جمیعا افانت تکره الناس حتی یکونوا مومنین" "انک لاتهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء"

"اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگونکو ایک ہی امت کا کردیتا لیکن لوگ آپس میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہینگے مگر جسپر تمہارا پروردگار فضل کرے اور اسی لیے تو اُنکو پیدا کیا ہے" "اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار اگر چاہتا تو جتنے آدمی روے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو تم لوگونکو مجبور کرسکتے ہو کہ سب کے سب ایمان لے آویں" "اور اے پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق تم جسکو چاہو ہدایت نہیں دیسکتے بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے"

جبکہ اکثر مذاہب کے رُوسا اپنے پیروؤنکو حکم دے رہے تھے کہ وہ لوگوں کو اپنے مذہب میں لانے کے لیے جسطرح ممکن ہو مجبور کریں اگرچہ اس میں فتنہ و فساد برپا ہوں بے گناہ قتل کیے جاویں بچے یتیم ہوں اور بستیاں ویران ہوں اور امن عامہ

میں خلل آئے اُسوقت خدا کی طرف سے پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو یہ خطاب ہو رہا تھا۔

"وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیکفر" "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین"۔

" اور اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ یہ قرآن برحق تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے " " دین میں زبردستی کا کچھ کام نہیں ہی گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے " " اے پیغمبر لوگوں کو عقل کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف بلاؤ اور انکے ساتھ بحث بھی کرو تو ایسے طور پر کہ وہ لوگوں کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہو۔ اور اے پیغمبر جو کوئی خدا کے رستہ سے بھٹکا تمہارا پروردگار اُسکے حال سے بخوبی واقف ہے اور نیز وہ اُن لوگوں کے حال سے بھی واقف ہے جو راہ راست پر ہیں "

ان تمام آیات بینات سے مسلمانوں کے دلوں میں وہ عظیم الشان قاعدے مستحکم ہو گئے جنہوں نے مسلمانوں کے نفوس کو ہر قسم کے مذہبی تعصبات اور کینوں سے پاک صاف کر دیا۔ پہلا قاعدہ جو انکے ذہن میں ان آیات کے مضمون سے راسخ ہوا وہ یہ تھا کہ خدا کا یہ فیصلہ ناطق ہو چکا ہے کہ دنیا کے گروہوں میں مذہب اور اعتقادات اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے ہمیشہ اختلاف رہیگا پس جو شخص اس آسمانی فیصلہ کے برخلاف کوشش کرتا ہے وہ خدا کے نزدیک نافرمان اور اس کی ناراضی کا مستحق ہے۔ دوسرا قاعدہ جو انہیں آیات سے بطور نتیجہ کے اُن کو حاصل ہوا، یہ تھا کہ لوگوں کا خدا کے دین سے انکار کرنیکا باعث یہ ہے کہ ان کی سمجھ اور انکی عقل کے درجات مختلف ہیں۔ اس مذہب کی اشاعت صرف انہیں لوگوں

میں ممکن ہی جو خوش قسمتی سے اُسکے سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں اور اسیلیے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسلامی حقائق کی اشاعت میں نہایت مناسب طور پر کوشش کریں اور حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھہ لوگونکو اُس کی طرف دعوت دین۔ یہ دونوں قاعدے جنکو مسلمانوں نے اپنی آسمانی کتاب سے سمجھا ہے وہ اُنکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ مذاہب اور اہل مذاہب کے اختلاف کو خدا کی مرضی اور اُس کی حکمت کا اقتضا خیال کریں۔ علماے تمدن نے جو باتیں آجکل ثابت کی ہیں وہ اُنکے عقیدہ کو اور زیادہ راسخ کرتی ہیں مثلاً علماے تمدن کا یہ قول کہ تمدن اور شائستگی کی نشو و نما اور ترقی کے لیے نوع انسان کا اختلاف[1] ایک ضروری امر ہے اور نوع انسان کو سعادت و فلاح کے اُن مدارج پر پہونچانے کے لیے جو قدرت نے اُسکے واسطے مقرر کیے ہیں اختلاف کا ہونا قطعاً لازمی ہی۔

ہمارے ذہنوں میں ان حکیمانہ اصول کے مقرر کرنیکے بعد اسلام ہمکو حکم دیتا ہے کہ ہم ان لوگونکے ساتھہ جو اُس کی شریعت سے اعراض کرتے ہیں ویسا ہی معاملہ کریں جیسا کہ خدا اُنکے ساتھہ کرتا ہے۔ خدا اُنکے ساتھہ ایسا معاملہ کرنے پر قادر ہے جسکو وہ برداشت نہ کر سکیں مگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ وہ اُنکے ساتھ دنیوی زندگی میں مثل دوسروں کے معاملہ کرتا ہے بلکہ بسا اوقات اگر اُن میں مادی سعادت حاصل کرلے کی اہلیت ہوتی ہے تو وہ اکثر اوقات دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ خدا نے فرمایا ہے "من یرد حرث الدنیا نوته منها" بیشک اسلام ہمکو حکم دیتا ہے کہ جو لوگ مذہب میں ہمارے مخالف ہیں ان کے مذہبی معتقدات پر ہم پردہ ڈالدیں اور نہایت نرمی اور اخلاق سے انکے ساتھ

---

[1] اس مضمون کو ملک الشعراء شیخ محمد ابراہیم ذوق نے اس شعر میں نہایت خوبی کے ساتھہ ادا کیا ہی۔

شعر: گلہاے رنگ رنگ سے ہی رونقِ چمن ۔ اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے۔

برتاؤ کرنیکا ہمکو حکم دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے "لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوا کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین،، اور انکو تکلیف دینے سے ہمکو منع کرتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص[1] کسی ذمی کو تکلیف دیگا میں اسکا خصم ہوں اور جسکا میں خصم ہوں قیامت میں اسپر میں ضرور غالب ہونگا۔ اور نیز فرمایا ہے کہ "جو شخص[2] کسی ذمی کو تہمت لگا دیگا قیامت کے دن آگ کے کوڑوں سے اسکو حد لگائی جاویگی،،

علاوہ ازیں ہمارا مذہب ہمکو حکم دیتا ہے کہ ہم قانون کے سامنے اُن کو اور اپنے آپ برابر سمجھیں اور انکی حق تلفی سے ہمکو ڈراتا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملسکتی۔ کیا اسوقت دنیا میں کوئی ایسی قوم موجود ہے جس میں عدالت اور انصاف اس درجہ محکم ہو گئے ہوں کہ اگر اس قوم کا ممبر کسی اجنبی شخص کو قتل کر ڈالے تو اُس کے بدلہ میں وہ قتل کیا جائے۔ اسلامی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک یہودی نے امیر المومنین عمر بن الخطاب کی حضور میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد تھے شکایت کی۔ آپنے حضرت علی سے فرمایا کہ اے ابو الحسن اٹھو اور اپنے خصم کے سامنے بیٹھو اُنہوں نے ایسا ہی کیا مگر اسوقت انکے چہرہ پر کسیقدر کدورت کے آثار ظاہر ہوئے جب یہ معاملہ فیصل ہو چکا تو حضرت عمر نے انسے پوچھا کہ کیا خصم کے سامنے بیٹھنا تمکو ناگوار ہوا؟ آپنے فرمایا کہ ہرگز نہیں بلکہ مجھکو صرف اسلیے ملال ہوا کہ آپنے اس موقع پر مساوات کی پوری رعایت نہیں کی اور مجھکو کنیت کے ساتھ خطاب کیا

[1] یہ حدیث حسن ہے اسکو خطیب نے تاریخ میں ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔

[2] یہ حدیث حسن ہے اسکو طبرانی نے کبیر میں واثلہ سے روایت کیا ہے۔

(کنیت کیساتھ خطاب کرنیسے تعظیم سمجھی جاتی ہی) میں دریافت کرتا ہوں کہ نوع انسان کی تاریخ میں قانون کے سامنے اس قسم کی مساوات کی نظیر ملسکتی ہی کہ قوم کے زبردست سردار جسکا نام لینے سے بادشاہوں کے تخت لرزتے ہیں اور غیر مذہب کے ایک ادنی اور بازاری شخص کے ساتھ یکساں طور پر قانونی برتاؤ کیا گیا ہو؟ دنیا کی تمام قوموں کی تاریخ ہمکو بتاتی ہے کہ اس درجہ کی مساوات موجودہ زمانہ سے پیشتر کسی ایک قوم کے مختلف طبقوں میں قائم نہیں ہوئی۔ اس سے ہمکو کامل یقین حاصل ہوتا ہے کہ اس حقیقی عدالت پر سوائے اسلامی قوم کے اسوقت تک دنیا میں کہیں عمل نہیں کیا گیا۔

گذشتہ زمانہ کی متمدن قوموں میں عدالت اور انصاف کا صرف نام ہی نام تھا ایک ہی جرم میں مختلف طبقے اور مختلف حیثیت کے لوگونکو مختلف سزائیں دیجاتی تہیں اپنی قوم کے ساتھ حکام اور رؤسا نرمی اور رعایت کرتے تھے۔ وہ مساوات جسپر اس زمانہ کے علما فخر کرتے ہیں فرانس کی ہولناک بغاوت کا نتیجہ ہے جس میں بیشمار جانیں برباد ہوئیں۔ موسیو۔ لاروس۔ دائرۃ المعارف میں لکہتا ہے کہ "ریدیا میں سزائیں ایک ہی قسم کے جرائم میں مجرموں کی حالت اور حیثیت کے لحاظ سے مختلف دیجاتی تہیں" اُسکے بعد اُسنے اُس جبر و تعدی کی تفصیل کی ہی۔ اور پہر بغاوت سے پیشتر فرانسیسی قانون پر بحث کی اور اُسکے بہی ایسے ہی عیوب ظاہر کیے ہیں۔ اُسکے بعد لکہا ہی کہ "۱۷۸۹ء کی بغاوت نے ان تمام امتیازات کو بہی اُس تحریک کے حوالہ کیا جسنے ان تمام خطابات کو نیست و نابود کیا جو خاندان اور وراثت کے تابع ہونے تھے"

مسلمان کیونکر اپنے مذہب پر فخر نہیں کرسکتے جبکہ اپر ثابت ہوچکا ہی کہ وہ مساوات جسکو حکما ہر قسم کی تمدنی سعادت و فلاح کا ذریعہ خیال کرتے ہیں وہ سب سے پیشتر

اسلامی قوم میں قائم ہوئی۔ اور وہ صرف باہم مسلمانوں کے درمیان ہی نہیں تھی بلکہ ایک جلیل القدر مسلمان اور دوسری قوم کے ایک ادنیٰ اور ذلیل آدمی کے درمیان بھی وہی مساوات برتی جاتی تھی اے خدا! ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ عدالت کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے اور چودہ صدیوں سے پیشتر نہ کسی کی امکان میں تھی بلکہ یہ خاص تیری عدالت ہی جو ہر چیز کو محیط ہے۔ اے خدا! تو ہمکو اپنے مذہب کے معجزات کے سمجھنے کی توفیق عطا فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مذہب اسلام ہمکو دیگر اہل مذاہب سے نیکی اور آشتی کے ساتھ سلوک کرنیکا حکم دیتا ہے۔ یہ سلوک ہمکو کسی خوف یا لالچ سے نہیں کرنا چاہیئے بلکہ نہایت صاف اور سچی نیت سے۔ بلکہ وہ ہمکو انکی غیبت اور بدگوئی سے ویسا ہی منع کرتا ہے جیسا کہ ایک مسلمان کی غیبت سے۔ اُسنے وہمی عدالت اور فرضی قانون کی آڑ میں فیروں کی چیزوں پر ٹکس باندھنا اور تاوان عائد کرنا مباح نہیں قرار دیا ہے جیسا کہ اکثر قومیں اپنے ان محکوموں کے ساتھ کرتی ہیں جو مذہب میں انکے خلاف ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے اپنی پاک سیرتوں کا نمونہ ہمارے واسطے چھوڑا ہے اجنبی لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہمکو انکی پیروی واجب ہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب والونکی مجلسوں اور دعوتوں میں تشریف لیجاتے تھے، انکے جنازوں کی مشایعت کرتے اور مصائب کے وقت رسم تعزیت ادا کرتے تھے غرضکہ ان تمام تمدنی معاملات میں جو اس گروہ میں ہونے چاہئیں جو ایک قانون کے زیر حکم ہو اور جس کی بہبودی مشترک ہی دیگر اہل مذاہب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ احادیث میں مروی ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اہل کتاب سے دراہم وغیرہ قرض لیتے تھے اور اُسکے معاوضہ میں اپنی کوئی چیز رہن کر دیتے تھے اسکی یہ وجہ ہرگز نہ تھی کہ آپکے

اصحاب آپکو قرض دینے سے عاجز تھے کیونکہ بعض صحابی دولتمند اور جاگیردار تھے اور وہ سب آپکی خوشی کے مقابلہ میں اپنی جان و مال قربان کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف امت کو اس امر کی تعلیم دینے کی غرض سے ایسا کرتے تھے کہ اسلام کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ اپنے پیرؤوں کو دیگر اہل مذاہب سے جو انکے ساتھ رہتے ہیں صرف اسلیے قطع تعلق کرنیکا حکم دے کہ وہ اعتقادات میں انکے خلاف ہیں۔ اس سے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان تنہا ایک اجنبی قوم کے ملک میں رہ سکتا ہے اور یہ امر اسکے لیے کچھہ مضر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ انکے ساتھہ اُسکو شادی کرنے کی بھی اجازت ہے۔

تہذیب اور شائستگی کی جسقدر کتابیں ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جسکا فلسفہ نوع انسان کے احترام کی طرف اسقدر ترغیب دینے والا ہو جسقدر کہ اسلام دیتا ہے گذشتہ اور موجودہ زمانہ کی تواریخ پر غور کرو، تمکو ایک انسان کے دوسرے انسان پر ظلم و ستم کرنے کے ایسے دردناک واقعات معلوم ہونگے جنکو دیکھکر تمکو سخت مایوسی ہوگی کہ انسانی افراد کے درمیان نوع انسان کے احترام کا اصول قائم نہیں ہوسکتا۔ اور تمکو متنبی کے اس قول کی تصدیق کرنا ایک لازمی امر ہوگا۔

والظلم من شیم النفوس فان تجد
ذا عفة فلعلة لا یظلم

بیشک ہمکو تواریخ سے انسانی افراد کے باہمی ظلم و ستم کے ایسے دردناک واقعات معلوم ہوتے ہیں جسنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور نیز ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام خونریزیوں اور بے رحمیوں کا باعث صرف مذہبی حمایت ہے۔ ہم ہرگز خیال نہیں کرسکتے کہ کوئی آسمانی مذہب اپنے پیرؤونکو حکم دیسکتا ہے

کہ نہایت قساوت قلبی اور بیرحمی کے ساتھ دیگر اہل مذاہب کا استیصال کردیں۔ مگر اسکو ہم انکی غلط فہمی یا ذاتی ضرورتوں اور نفسانی خواہشوں کی وجہ سے تحریف و تاویل اور تدلیس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بیرحمی اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالہ کیے جاتے یا پھاڑ نیوالے حیوانات کے آگے ڈالدیے جاتے تھے۔ یا انکی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر انکو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے۔ تا نبا پگھلا کر اسپر ڈالدیتے تھے۔ یا انکو مدہم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور انکی شور و فریاد اور آہ و فغاں کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے انکا گوشت کٹ کٹ کر گرتا جاتا اور چربی پگھلکر بہتی جاتی تھی۔ یہ باتیں لوگ دیکھتے اور سنتے تھے مگر کسی کو رحم نہیں آتا تھا۔

ان لوگوں کے سینونکو جن میں مذہبی تعصب اور بیرحمی کی آگ بھڑک رہی تھی جو دیگر اہل مذاہب کا استیصال کرنے پر آمادہ کرتی تھی مسلمانوں کے ان وسیع اور کشادہ سینوں کے ساتھ جو ہمت اور حکمت، رحمت اور مروت سے لبریز تھے مقابلہ کرو۔ یہ مسلمانوں ہی کی فراخ دلی تھی جو اس امر کی اجازت دیتے تھے کہ ان کی مسجدوں کے میناروں کے سامنے گرجاؤں میں ناقوس بجائے جاویں اور اس سے کسی قسم کی کوئی تحریک پیدا نہو۔ حالانکہ اسوقت دنیا کی سلطنت اور حکومت انکے ہاتھوں میں تھی اور کوئی شخص انکا شریک اور مدمقابل موجود نہ تھا۔ بلا شک و شبہہ وہ غیر مذہب والوں کی مذہبی آزادی کو روک سکتے تھے جیسا کہ رومانیوں نے نہایت سختی کے ساتھ کیا تھا۔

اسلامی لشکر فتح اور نصرت کا تاج اپنے سر پر رکھے ہوئے اُن ممالک میں داخل ہوتا تھا جنکے باشندے اعتقاد میں انکے خلاف ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمام تر

ہمت صرف اس میں صرف کرتا تھا کہ مفتوح قوم کو اطمینان دلائے کہ انکی مذہبی آزادی بدستور قائم رہیگی انکے معبدوں کی حفاظت کی جاویگی۔ دشمنوں کے مقابلہ میں اُن کی حمایت اور مدافعت کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جاویگا اور وہ اپنے مذہبی فرائض اور دینی مراسم کے ادا کرنے میں بالکل آزاد اور مطلق العنان ہونگے۔ یہ بالکل اسلام کی پاک تعلیمات اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی تھی۔

کیا اسکے بعد بھی کوئی مکابرہ کرنیوالا کہہ سکتا ہے کہ مسلمان نوع انسان کا احترام کرنے میں دنیا کی تمام قوموں سے فائق نہیں ہیں یا اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ انکے مذہب کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ اختلاف عقائد کی وجہ سے ظلم اور بیرحمی کو جائز قرار دے۔ اسلام اپنے پیرووں کے لیے میدان جنگ میں سخت ترین دشمنوں کے ساتھ بھی ظلم و تعدی جائز نہیں رکھتا خدا وند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین"	"اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے یعنی دین کی حمایت میں انسے لڑو اور زیادتی نہ کر اللہ کسی طرح زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا"

اسلام کسی شخص کو اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنیکا حکم نہیں دیتا جبکہ وہ دوسرے مذہب کے پیرو ہوں بلکہ نیکی کے ساتھ انسے سلوک کرنے اور انکے تمام حقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصالہ فی عامین ان اشکرلی	"اور ہمنے انسان کو اُسکے ماں باپ کے حق میں تاکید کی (کہ ہر حال میں انکا ادب لحاظ رکھے) کہ اُس کی ماں نے جھٹکے پر جھٹکے اُٹھا کر اُسکو پیٹ میں رکھا اور پیٹ میں رکھنے کے پیچھیں دو برس میں جا کر

ولوالدیك الی المصیر	اُسکا دودہ چھوٹتا ہی اسی لحاظ سے ہمنے انسان کو حکم دیا
وان جاھدٰك علی	کہ ہمارا بہی شکرگذار رہ اور اپنے والدین کا بہی اور آخر کار
ان تشرك بی مالیس	ہماری ہی طرف تم سب کو لوٹکر آنا ہی - اور اے مخاطب
لك بہٖ علم فلا	اگر تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور کریں کہ تو ہمارے
تطعھما وصاحبھما	ساتہ کسیکو شریک خدائی بنالے جس کی تیرے پاس
فی الدنیا معروفا و	کوئی دلیل ہی نہیں تو اُس میں اُنکا کہنا نہ ماننا مگر ہاں
اتبع سبیل من اناب	دنیامیں سعادتمندانہ انکی رفاقت کر اور ان لوگونکے
الیّ ثم الیّ مرجعکم	طریق پر چل جو ہر ایک بات میں ہماری طرف لوٹکر آتا ہے
فانبئکم بما کنتم تعملون"	جیسے جیسے عمل تم لوگ کرتے تہو اُسوقت اُنکا بُرا بہلا ہم تمکو
	بتادینگے "

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہو کہ اُنہوں نے کہا کہ میری والدہ رسول خدا صلے اللہ علیہ کے زمانہ میں مجہ سے ملنے کی غرض سے آئیں مینے آنحضرت سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی والدہ سے ملوں ؟ آپنے فرمایا کہ ہاں - ابن عتیبہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی -

"لاینھٰکم اللہ عن	" جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور انہوں
الذین لم یقاتلوکم	نے تمکو تمہارے گہروں سے نہیں نکالا انکے ساتہ
فی الدین ولم یخرجوکم	احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا
من دیارکم ان تبروھم	تم کو منع کرتا نہیں کیونکہ منصفانہ برتاؤ کرنے
وتقسطوا الیھم	والوں کو دوست رکہتا ہے "
ان اللہ یحب المقسطین"	

لہ بخاری مطبوعہ مطبع احمدی صفحہ ۸۸۴ -

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بطور ہدیہ کے اپنے مشرک بہائی کے پاس بہیجا تہا۔

اسلام ایک عام مذہب ہی۔ خدا نے اُسکو تمام مذاہب کا ختم کرنیوالا اسلیے نہیں بنایا کہ خاندان اور ابنائے وطن یا نوع انسان میں تفرقہ اور اختلاف ڈالنا چاہتا ہے ایک مسلمان شخص ایسے خاندان میں رہ سکتا ہے جسکے تمام افراد مذہب اور اعتقاد میں اُسکے مخالف ہوں اور یہ مذہبی اختلاف انکے ساتہ کسی قسم کا بُرا سلوک کرنے پر اُسکو آمادہ نہیں کرتا بلکہ جب تک وہ لوگ محبت اور صدق نیت کے اصول پر ثابت قدم رہیں اُسوقت تک اُنکے تمام حقوق ادا کرنے اور انکی حمایت کرنے کی ترغیب دیتا ہی۔

مذہب اسلام صرف انہیں گروہوں کے ساتہ نیکی اور شریفانہ اخلاق کے ساتہ معاملہ کرنے کی ہدایت نہیں کرتا بلکہ وہ تمام دنیا کے ساتہ ایسا ہی کرنے پر آمادہ کرتا ہی خواہ وہ کسی مذہب اور کسی فرقہ میں ہوں۔ اس قسم کے اختلافات سے قطع نظر کرنی چاہیئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ وہ شخص ناکامی اور خسارہ میں رہا جسکے دل میں خدا نے انسان کی طرف سے رحم نہیں دیا" اور نیز فرمایا ہی کہ "تمام مذاہب کے ماننے والوں کو صدقہ دو" انہیں آسمانی احکام پر مسلمانوں نے عمل کیا ہے اور کرتے ہیں اگرچہ لوگونکو گمراہ کرنے والے اُنکے ذمہ اتہام لگا دیں۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دوستونکے ساتہ بیٹہے ہوئے تہے ایک ذمی شخص بہیک مانگتا ہوا وہاں سے گذرا۔ آپنے حاضرین سے فرمایا کہ "ہمنے اس شخص کے ساتہ انصاف نہیں کیا۔ یہ بات اچہی نہیں ہی کہ جوانی کی حالت میں ہم اُس سے جزیہ وصول کریں اور بڑہاپے میں بہیک مانگتا ہوا چہوڑ دیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا" اور آپنے مسلمانونکے بیت المال سے اُسکا وظیفہ مقرر فرمایا۔

ان پاک نفوس کے تقدس اور انکی فراخ دلی پر غور کرو۔ درحقیقت یہ نہایت تعجب انگیز امر ہے کہ اسلام ان عربوں کے دلوں پر جو جاہلیت میں ضرب المثل تھے اسقدر گہرا اثر ڈالنے میں کیونکر کامیاب ہوا اور انکو خوش اخلاقی اور بے تعصبی میں اسقدر اعلیٰ مرتبہ پر پہونچایا جو معجزہ سے کسیطرح کم نہیں ہے اور یہ ایسے زمانہ کی بات ہے جبکہ اس قسم کی اعلیٰ خصلتیں اور شریفانہ رغبتیں تمام نوع انسان سے بالکل مفقود تہیں

دوسرے مذاہب اور معتقدات کے لوگ جو مسلمانوں کے ساتھ رہتے تھے انکے ساتھ جسقدر فیاضانہ سلوک مسلمانوں کی طرف سے کیاجاتا تہا اُس کی نظیر نوع انسان کی تاریخ میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ غیر مذہب والونکے ساتھ ان کی حسن معاشرت کی وہ کیفیت تہی جو آجکل دو حقیقی بھائیوں میں بہی نہیں ہوسکتی جنہوں نے ایک خاندان میں نشوونما پائی ہو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ "میں عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر تہا اور انکا ایک غلام ذبح کی ہوئی بکری صاف کررہا تہا آپنے غلام سے کہا کہ جب تم اُسکو صاف کرچکو تو سب سے پہلے ہمارے ہمسایہ یہودی کو دینا۔ اس قول کو آپنے کئی بار فرمایا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ کتنی مرتبہ فرماوینگے۔ آپنے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمسایہ کے ساتھ بہلائی کرنے کی اسقدر وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ہمکو اندیشہ ہوگیا کہ آپ اُسکو وارث قرار دینگے" براہ مہربانی آپ اس معاملہ کو مغرب کے مہذب اور شائستہ شہروں کی موجودہ حالت کے ساتھ مقابلہ کرو۔ ہم ہمیشہ سنتے ہیں کہ مغربی ممالک میں آئے دن خفیہ اور علانیہ کمیٹیاں قائم ہوتی ہیں جنکا مقصد یہودیوں کو ستانا اور ذلیل کرنا ہوتا ہے کیا ان واقعات کے بعد بہی جو ہمنے اس فصل میں بیان کیے ہیں کوئی فتنہ انگیز مسلمانوں پر مذہبی تعصب کی تہمت لگاسکتا ہے۔ مہذب اور شائستہ ممالک میں ہمیشہ مذہبی تعصب کے ہم ایسے واقعات سنتے ہیں جنسے شرم آتی ہے۔ کیا آپنے کبھی سنا ہے کہ کسی

اسلامی شہر میں کوئی ایسی کمیٹی قائم ہوئی ہو جسکا اہم مقصد کسی مذہبی فرقہ کی مخالفت ہو۔ ہرگز نہیں۔

اس فصل کے ختم کرنے سے پیشتر ہم یہ بات ثابت کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ مذہبی تعصب جس سے اسلام اور مسلمانوں کا پاک صاف ہونا ہمنے ابھی بیان کیا ہے۔ صدیوں سے اسوقت تک تمام یوروپین قوموں کا معمول رہا ہے۔ یہ ایک ایسا مرض تھا جسکے معالجہ سے انکے تمام اطبا عاجز تھے۔ تقریباً ایک صدی سے اس بیماری میں کسیقدر تخفیف شروع ہو۔ اسکے ثبوت میں ہم علامہ جول سیمون (ایک فرانسیسی حکیم) کا قول نقل کرتے ہیں جو اُسنے تاریخ الاعتقادات میں کہا ہے وہ لکھتا ہے کہ "مذاہب کی کوئی قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہو کیونکہ تمام عالم کی تاریخ درحقیقت مذہبی تعصب کی تاریخ ہے۔ مذہبی تعصب جو آزادی سے بہت زیادہ قدیم ہے وہ تاریخ کے بعید ترین زمانوں تک چلا جاتا ہے" اسکے بعد علامہ مذکور نے مذہبی تعصب کے آثار کو شمار کیا ہے جو قرون مظلمہ سے لیکر قرون متوسط تک ظاہر ہوئے۔ اسکے بعد لکھا ہو کہ "اور آخر کار ہم۔ اگست ۱۷۸۹ء کو فلسفی روح مذہبی آزادی کے قائم کرنے میں کامیاب ہوئی اور یہ امید ۱۷۹۱ء میں پوری ہوئی اور یہ وہ تاریخ ہو جس میں یہودیوں کو مظالم سے آزادی ملی اور باوجود ان تمام باتوں کے فرانسیسی بغاوت جو حسن انتظام سے خالی تھی مذہبی آزادی کو مستحکم نہ کر سکی"

واجبات المسلمین لمعاہدہیم

معاہدہ کی حفاظت کرنا مسلمانوں کے نزدیک ضروری فرض ہے جسکا ادا کرنا ہر
مسلمان پر قطعاً لازمی ہے۔ کسی مسلمان کو کسی سبب سے معاہدہ کا توڑنا جائز نہیں ہے
تا وقتیکہ دوسرا فریق اُسکے توڑنے میں پیشقدمی نہ کرے۔ معاہدہ خواہ اہل کتاب
کے ساتھ کیا جاوے خواہ مشرکوں کے ساتھ دونوں صورتوں میں مسلمانوں پر اُس
کی پابندی اور حفاظت یکساں لازمی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے " یا ایہا الذین آمنوا
اوفوا بالعقود" اور نیز مومنین کی صفات کے سلسلہ میں فرمایا ہے " والذین ہم لامانتہم وعہدہم راعون"۔ جو شخص اسلام کی تاریخ کی ابتدا سے آجتک ورق گردانی
کریگا اُسکو محقق طور پر معلوم ہو جائیگا کہ مسلمان ایسے لوگ ہیں جو ایفاء عہد اور صدق
نیت میں ضرب المثل ہیں۔ رسول خدا صلعم کی تاریخ میں عالی ہمتی اور صدق نیت
کی ایسی مثالیں موجود ہیں جو اس زمانہ میں قوموں کے پیشرؤوں کے نصب العین بننے
کے قابل ہیں۔ قرآن مجید کی آیات بینات پر غور کرنے والوں کو معلوم ہو سکتا ہے
کہ اُس میں حفظ عہد کے اسقدر احکام موجود ہیں جنسے قطعی یقین حاصل ہوتا ہے کہ اصول
عدالت کے مطابق ہونے میں کوئی شریعت محمدی شریعت کے برابر نہیں ہو سکتی
دیکھو اسلام اپنی قلیل اور کمزور جماعت کو زبردست دشمن کے مقابلہ میں ثابت
قدم رہنے کی ترغیب دینے کے اثناء میں اپنے پیروؤں کو معاہدین کے معاملہ میں نصیحت
کرنے سے غافل نہیں رہا تاکہ اُنکو کسی قسم کی تکلیف بھی نہ پہونچے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

" وبشر الذین کفروا بعذاب	اور دے پیغمبر کافروں کو عذاب دردناک کی
الیم الا الذین عاہدتم	خوشخبری سنا دو ہاں مشرکین میں سے جنکے ساتھ
من المشرکین ثم لم ینقصوکم	تم نے صلح کا عہد و پیمان کر لیا تھا پھر اُنہوں نے

شیئا ولم یظاہروا علیکم احدا فاتموا الیہم عہدہم الی مدتہم ان اللہ یحب المتقین "

ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی وہ مستثنیٰ ہیں تو انکے ساتھ جو عہد و پیمان ہی اسے اُس مدت تک جو اُنکے ساتھ ٹھیری تھی پورا کرو کیونکہ اللہ اُنکو جو بدعہدی سے بچتے ہیں دوست رکھتا ہے "

معاہدہ کرنے والی قوموں کے افراد کے ساتھ جسطرح مسلمان معاملہ کرتے تھے وہ اہل کتاب کے معاملات سے کسی طرح کم تھا جن کی نسبت ہم گذشتہ فصل میں گفتگو کر چکے ہیں انکی نسبت ہمارے پیغمبر نے ہمکو وصیت کی ہی اور فرمایا ہی کہ " مجھکو خدا نے حکم دیا ہے کہ میں کسی معاہد اور غیر معاہد پر ظلم نہ کروں " اور نیز فرمایا ہی کہ[1] " جو شخص معاہد کو قتل کریگا اُسکو جنت کی خوشبو نصیب نہو گی " اور فرمایا ہی " کہ جو شخص کسی کو پناہ دے اور کوئی اُسکو قتل کرڈالے تو ہیں قاتل سے بری ہوں اگرچہ مقتول کافر ہو " جو شخص متمدن اور وحشی قوموں کی تاریخ پر غور کرتا ہے کمزور قوموں کے ساتھ انکا سلوک دیکھکر اُس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کہ وہاں سوائے قوت کے کوئی قانون نہیں ہی۔ جو شخص بدقسمتی سے کمزور ہوتا تھا وہ ہمیشہ بڑے آدمیوں کی غلامی کی قید میں گرفتار رہتا تھا۔

[1] اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں اور ابو داؤد اور نسائی نے سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہی۔ یہ حدیث صحیح ہی۔

واجبات المسلمین لمجاہدیہم

یہ بات تاریخی اجماع سے ثابت ہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تن تنہا اسلام کی طرف دعوت کرنیکو کہڑے ہوے اور ایک قلیل جماعت نے جن میں عورتیں اور بچے اور بڈہے بہی شامل تھے اسلام قبول کیا۔ آپکو اور آپکے ساتھیوں کو ایسی سخت تکلیفات اور ایذائیں دی گئیں جنکو صرف وہی شخص برداشت کر سکتے ہیں جو ارتداد سے ہلاک ہونے کو زیادہ تر آسان خیال کرتے ہیں جیسا کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو پیش آیا۔ ان کو قید کیا گیا اور آگ کی تکلیف دی گئی اور جب انکو قتل کرنے لگے تو اُنہوں نے دو رکعتیں پڑہنے کی اجازت مانگی اور نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگے اگر تم یہ خیال نہ کرتے کہ میں قتل ہونے سے ڈرتا ہوں تو میں ان رکعتوں کو زیادہ دراز کرتا اے خدا تو ان سب کو گہیر لے اور انکو قتل کر اور کسیکو باقی مت چہوڑ۔ اسکے بعد یہ اشعار پڑہنے لگے۔

ولست ابالی حین اقتل مسلما علی ای جنب کان للہ مصرعی

وذلک فی ذات الالٰہ وان یشا یبارک علی اوصال شلو ممزع

یہ واقعہ جو ہمنے بیان کیا ہی صرف ایک شخص کو پیش آیا تہا اور اسکے سوا دوسرے مسلمانوں کو جو واقعات پیش آئے وہ اس سے بہی زیادہ سخت تہے جن کی تفصیل کتب تواریخ سے معلوم ہوسکتی ہی۔ غرضکہ اس قسم کے سخت مصائب تیرہ سال تک مسلمانونکی جماعت پر نازل ہوتے رہے۔ اسکے بعد رسول خدا صلعم نے اول مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور پہر اسکے بعد مدینے کی طرف۔ وہاں ان کو ایک گونہ قوت حاصل ہوگئی۔ مگر تمام عربوں نے انکی مخالفت پر اتفاق کرلیا اور مسلمان نہایت درجہ خوف وہراس میں مبتلا ہوے۔ خدا نے انکے اطمینان اور تسکین

کی غرض سے یہ آیت نازل فرمائی۔

"وعد الله الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا"

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں اُنسے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن) اُنکو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کریگا جیسے ان لوگونکو خلافت عنایت کی تھی جو اُنسے پہلے ہو گذری ہیں اور جس دین کو اُستے اُنکے لیے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اسکو اُنکے لیے جما کر رہیگا۔ اور خوف و (خطر) جو اُنکو (لاحق) ہے اسکے بعد (عنقریب ہی) اسکو (اسکے) بدلے میں امن دیگا کہ (باطمینان) ہماری عبادت کیا کرینگے (اور) کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانینگے"

اور جب عرب کے تمام قبائل مجتمع ہو کر مسلمانونکو مٹا دینے پر آمادہ ہوے تو اسوقت خدانے انکو بھی مدافعت کی اجازت دی اور ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی اور فتح ونصرت اور کامیابی کا انکے ساتھہ وعدہ کیا۔ خدانے فرمایا۔

"اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد"

"اُنکو (بھی) اُن کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اسواسطے کہ اُنپر ظلم ہو رہا ہے اور کچھہ شک وشبہہ نہیں کہ اللہ اُنکی مدد کرنے پر قادر ہے (یہ وہ مظلوم لوگ ہیں) جو بیچارے صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق (ناروا) اپنے گھروں سے نکالدیے گئے اور اگر اللہ لوگونکو ایک دوسرے کے ہاتھہ سے نہ ہٹواتا رہتا تو (نصاریٰ کے) صومعہ اور گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے

یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا	''ڈھاے جا چکے ہوتے ۔ اور جو اللہ کی مدد کریگا اللہ (بھی)
ولینصرن اللہ من ینصرہ	ضرور اسکی مدد کریگا ۔ کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست
ان اللہ لقوی عزیز''	اور سب پر غالب ہے ۔

اور یہ بھی بطور تواتر کے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قلیل جماعت قبائل عرب کی زبردست اور بیشمار لشکروں کا مقابلہ نہایت اطمینان اور کلی یقین کے ساتھ کرتے تھے کہ خدا کا وعدہ بالضرور پورا ہوگا اور وہ یقیناً ہماری مدد کریگا ۔

'' وعد اللہ الذین امنوا	'' تم میں جو لوگ ایمان لاے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں
منکم وعملوا الصالحات	اُنسے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن اُنکو ملک کی
لیستخلفنھم فی الارض	خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کریگا جیسے اُن
کما استخلف الذین	لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُنسے پہلے گذر ے
من قبلھم''	ہیں '' ۔
'' ولقد کذبت رسل	'' اور تم سے پہلے بھی رسول جھٹلاے جا چکے ہیں
من قبلک فصبروا	تو اُنھوں نے لوگوں کے جھٹلانے پر اور اُن کے
علی ما کذبوا و اوذوا	ایذا دینے پر صبر کیا یہانتک کہ ہماری مدد اُن کے
حتی اتاھم نصرنا ۔ و	پاس آپہونچی اور کوئی (سیکڑے سیکڑ) بھی
لا مبدل لکلمات اللہ	خدا کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور پیغمبرونکے
ولقد جاءک من نباء	حالات تو تم کو پہونچ بھی چکے ہیں '' ۔
المرسلین''	
'' وکان حقا علینا	'' اور ایمان والونکو مدد دینا ہم پر لازم تھا (اور
نصر المومنین'' ۔	ہے ہی) '' ۔

"کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز۔" — " خدا تو لکھ چکا ہی کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور (کافروں) غالب آکر رہینگے بیشک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے۔"

غرضکہ مسلمانوں کی قلیل اور بے سروسامان جماعت اور قبائل عرب کے درمیان جنگ کا سلسلہ ایک عرصہ دراز تک جاری رہا جس میں خدا نے اپنے بندوں کے صبر و استقلال اور اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان کیا حتیٰ کہ جب ان کا دل اور ایمان ہر قسم کے شوائب سے پاک صاف ہوگیا تو خدا نے انکو زمین خلافت اور حکومت عطا فرمائی اور انکو غالب اور انکے دشمنوں کو مغلوب کیا۔ اور انکو اپنے دشمنوں کے استیصال کرنے کی پوری قدرت حاصل ہوگئی۔ لیکن یہ کسطرح خیال کیا جاسکتا ہے کہ مذہب اسلام سے ایسا ظہور میں آیا ہو جو سلامتی اور امن و امان کا مذہب ہی۔ بلکہ خدا نے انکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرنیکا حکم دیا جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے۔

"لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارھم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین" — " جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور اُنہوں نے تمکو تمہارے گہروں سے نہیں نکالا اُنکے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنیسے تو خدا تمکو منع کرتا نہیں (کیونکہ) اللہ منصفانہ برتاؤ کرنیوالونکو دوست رکہتا ہے۔"

جس وقت خدا نے مسلمانونکو قوت عطا فرمائی اور ان کو دشمنوں پر کامیاب کرنے کا ارادہ کیا جنہوں نے ابتدا میں اپر سخت ظلم و ستم توڑے تھے تو اُنکو حکم دیا کہ انتقام لینے کی خواہشوں کی پیروی مت کرو تاکہ تم حکمت اور عدالت کی حدود سے خارج نہو جاؤ۔ اور ان کو دکھلایا کہ اگر ایسا ہوگا تو یہ تمہاری طرف سے ظلم و تعدی ہوگی۔ تبدا نے فرمایا۔

"ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا الله ان الله شدید العقاب"

"اور بعض لوگوں نے جو تمکو حرمت (عزت) والے مسجد یعنی خانہ کعبہ میں جانے سے روکا تہا یہ عداوت تمکو (اور نیز کسی طرح کی) زیادتی کرنے کے باعث نہو اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں میں) ایک دوسرے کے مددگار ہوجایا کرو۔ اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں ایک دوسرے کے مددگار نہ ہو اور اللہ (کے غضب) سے ڈرو (کیونکہ) اللہ کا عذاب (بہت ہی) سخت ہے"

یہ احکام صرف مغلوب اور مقہور لوگوں ہی کے واسطے نہیں ہیں بلکہ اعتدال اور فیاضی اور رحم کے اصول اثنائے جنگ میں بہی واجب ہیں خدا نے فرمایا ہے۔

"وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین"

"اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بہی اللہ کے رستہ (یعنی دین کی حمایت) میں انسے لڑو اور زیادتی نہ کرنا اللہ (کسی طرح) زیادتی کرنیوالونکو پسند نہیں کرتا"

اپنے دشمنونکو برا کہنا اور انپر لعنت کرنا یہ بہی مسلمانوں کے نزدیک تعدی میں داخل ہے۔ جب مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ کو قتل کرکے ان کا مثلہ کیا اور انکا جگر نکال لیا تو اس حادثہ سے آپکو نہایت رنج اور صدمہ ہوا اور آپنے مشرکین کے حق میں بددعا کی اسپر یہ آیت نازل ہوئی "لیس لک من الامر شیء او یتوب علیهم او یعذبهم فانهم ظالمون" آپ بددعا سے باز رہے اور فرمایا کہ اگر مجھکو موقع ملا تو میں انکے چالیس آدمیوں کا مثلہ کرونگا اسپر یہ آیت نازل ہوئی "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خیر للصابرین" پس آپنے فرمایا "اصبر واحتسب"۔

اگر اسیران جنگ کے لحاظ سے دیکھا جاے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانونکو انکی مراعات اور مناسب تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے
اور انکے ساتھ برائی کرنے کی ممانعت کی ہے۔ آپنے فرمایا ہے " استوصوبالاسارٰی
خیرا " پس آپکے صحابہ کرام اس حدیث کی پوری تعمیل کرتے تھے اور اسیران جنگ
کی اسقدر مراعات اور مدارات کرتے تھے کہ اپنی روٹی اُنکو دیتے تھے اور آپ صرف
کھجور وپر اکتفا کرتے تھے۔

ہمارے گزشتہ بیانات پر غور کرو۔ تمکو آسمانی عدالت اور رومن وغیرہ قوموں کی
وضعی عدالت میں زمین وآسمان کا فرق معلوم ہوگا یہ قومیں نوع انسان کو ہلاک وبرباد
کرنے میں طاعون کا حکم رکھتی تھیں اُنہوں نے قتل وخونریزی اور انسان کو مسخر کرنے
اور غلام بنانے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ موجودہ زمانہ کی لڑائیوں میں عدالت
کے جو آثار دیکھے جاتے ہیں وہ اسلامی عدالت سے قرب حاصل ہوتا جاتا ہے
اسلامی عدالت وہ انتہائی عدالت ہے جسکا نوع انسان کو حاصل ہونا ممکن ہے
یورپ کی جو کمیٹیاں جنگ دنیا سے موقوف کرنے اور صلح وامن قائم کرنے میں کوشش
کررہی ہیں اُنکو اپنا کام کرنے دو کیونکہ اسلام ایسے کاموں کی ترغیب دیتا ہے
اور جب یہ کمیٹیاں بادشاہوں اور شہنشاہوں کی مدد سے اپنے مقاصد میں کامیاب
اور اخلاص اور صدق نیت پر اپنے کام کی بنیاد رکھیں گی تو ہر ایک مسلمان ان کی
امداد کے لیے اپنا ہاتھ بڑھائیگا اور خدا کا یہ کلام اُسکی زبان پر ہوگا۔

" وان جنحوا للسلم فاجنح	" اور اے پیغمبر اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم
لها وتوکل علی الله	بھی اُس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو وہی
انه هو السمیع العلیم "	سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے "

نظرۃ
علی الاسلام والمسلمین

گذشتہ فصلوں میں ہم کسیقدر توضیح اور تفصیل کے ساتھ وہ تمام تمدنی اصول بیان کر چکے ہیں جنپر دنیا کے تمام مہذب اور شائستہ ملکوں کی ترقی کی بنیاد رکھی گئی ہے اور محسوس دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تمام تمدنی اصول منجملہ اسلامی قواعد کے ہیں جنکی کہ دیکھنے والونکو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُنہیں سے ماخوذ ہیں اور اس سلسلہ میں ہم مدلل طور پر بیان کر چکے ہیں کہ ان اسلامی قواعد کی نسبت تغیر تبدیل کا ہرگز احتمال نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اُن اصول فطرت اور قوانین حیات انسانی کے مطابق ہیں جنکا ثبوت حسی طور پر ہوچکا ہے اور جسنے کسی طرح پر انکار نہیں ہوسکتا۔

اور نیز ہم کہہ چکے کہ دنیا جسقدر ترقی کرتی جاتی ہے اور انسانی عقلیں کمالات کی راہ میں جتنے قدم آگے کو بڑھاتی ہیں اُسیقدر انکو اسلام سے قرب حاصل ہوتا جاتا ہے اور عنقریب ایک دن ایسا آنیوالا ہے کہ دنیا کے عقلا بالاتفاق تسلیم کرینگے کہ مذہب اسلام دنیوی واخروی سعادت وفلاح کا جامع اور دارین کی راحت کا کفیل ہے۔

بیشک اسلام ایک عام ابد الآباد تک باقی رہنے والا مذہب ہے اور وہ الٰہی قانون ہے جسکو حکما ہزاروں برس سے تلاش کر رہے ہیں دنیا کے عقلا قدیم زمانے سے ایک ایسے سچے مذہب کی تلاش میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہیں جو انسان کی جسمانی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہو اور انکے مطالب میں حکمت اور اعتدال کے ساتھ موافقت پیدا کرنے والا اور جسمانی اور نفسانی خواہشوں اور رغبتوں کو ایک ایسے نقطہ اعتدال پر قائم کرنیوالا کہ وہ کسی طرح ایک دوسرے پر

غالب نہ ہوسکیں۔ اس امر کی تلاش میں انہوں نے بہت کچھ اہتمام کیا ہے اور ہر جگہ ڈھونڈا ہے۔ کیونکہ انکو معلوم تھا کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اگر ان دونوں کے مطالب میں اعتدال کا لحاظ نہ رکھا جائیگا تو ضرور افراط و تفریط واقع ہوگی اور جب ایسا ہوگا تو زندگی کے کاروبار میں خلل واقع ہونا لازمی ہو اور ایسا شخص بنی نوع کے لیے ایک آفت اور مصیبت یا مثل بے حس و حرکت عضو کے بیکار ہوگا۔ حسی دلائل اور تاریخی حادثات سے ان لوگوں نے دیکھا کہ جو مذاہب جسمانی اور روحانی مطالب کو اعتدال کی میزان میں وزن نہیں کرسکتے اور نہ جسمانی اور روحانی ضرورتوں کی تحدید کرسکتے ہیں وہ بدقسمتی سے جن قوموں پر مسلط ہوتے ہیں اُن کو دو بڑی قسموں پر منقسم کردیتے ہیں جن میں سالہا سال تک فتنہ و فساد اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر غالب ہوجاتا ہے اور اُسکو آزادی اور مطلق العنانی حاصل ہوجاتی ہے اور کوئی روک ٹوک کرنیوالا اُسکے سامنے باقی نہیں رہتا تو وہ جسمانی اور نفسانی مطالب میں افراط اور تفریط کی طرف جھک پڑتا ہے مگر اس حالت پر زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ انسانی طبیعت اُسکو للکارتی اور واپس لوٹاتی ہے پس دنیا میں اُسکا عدم وجود برابر ہوجاتا ہے جو قوموں کی تاریخ کی ورق گردانی کرینگے ایسے بے شمار واقعات اُنکو نظر آئینگے اور زیادہ بحث و کاوش کی ضرورت واقع نہوگی۔

ہم ان حکماء کے خیالات کے ساتھ سب سے پہلے اتفاق کرتے ہیں بیشک ایک ایسے عام مذہب کی تلاش نہایت ضروری ہو جو جسمانی اور نفسانی مطالب میں اعتدال کے ساتھ موافقت پیدا کرنے والا اور ایک کی صلاح و فلاح کو دوسرے کی صلاح و فلاح کے ساتھ مربوط کرنیوالا ہو ہم گذشتہ فصلوں میں ثابت کرچکے ہیں کہ جسطرح جسم کو بیشمار امراض عارض ہوتے ہیں اسی طرح نفس پر بھی بیشمار نفسانی

بیماریاں طاری ہوتی ہیں اور جس طرح کوئی شخص اپنے جسم کو طبعی عوارض اور مہلک امراض سے بغیر قانون صحت جسمانی کے محفوظ نہیں رکھ سکتا اسیطرح نفسانی قانون صحت کے سوا نفس کے مہلک امراض سے محفوظ نہیں رکھہ سکتا چونکہ یہ دونوں چیزیں انسان میں ایسے طریقے کے ساتھ رکھی گئی ہیں کہ ایک کے مریض ہونیکا دوسرے پر اثر پڑتا ہی اسلیے یہ امر نہایت ضروری ہی کہ جسمانی اور نفسانی حفظ صحت کے دونوں قوانین باہم موافق اور متناسب ہوں تاکہ ایک قانون پر عمل کرنے سے دوسرے قانون کی رو سے مضرت نہ پہونچے - یہ بات خصوصاً اس زمانہ میں ایک ایسی بدیہی بات ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا - کیونکہ دنیا کی حالت اس کی صحت اور صداقت پر شاہد ہے - اور یہی بات علماے یورپ کو ایک طبعی مذہب کے ایجاد کرنے میں محرک ہوئی ہی جس کی بنیاد علمی [illegible] اور فلسفی مسائل پر ہو - ہم اس جدید مذہب کے بعض اہم اصول اس مقام پر درج کرنا چاہتے ہیں جو ہمنے کتاب (اخلاق مباحث) تالیف علامہ کارو سے اخذ کیے ہیں - اُسنے لکہا ہی کہ طبعی مذہب کے قواعد یہ ہیں - ایک ایسے خدا کے وجود کا اعتقاد رکہنا جو مختار ہے اور جسنے کائنات کو پیدا کیا ہے اور انکا خیال رکہتا ہے اور جو تمام مخلوقات اور نوع انسان سے بالکل ممتاز ہے - اور انسان کے جسم میں ایک ایسی روح کا اعتقاد [illegible] آزادی اور ذکاوت کے ساتھ متصف ہے اور اس مادی جسم میں کچھ [illegible] بعض آزمائش محبوس ہی - اس روح کے لیے ارادۃً ممکن ہی [illegible] جسم کو پاک صاف کرکے آسمان پر اڑا لیجاے یا ٹہوس مادہ کے ساتھ [illegible] اسکو پستی میں گرادے - اور تعقل کے احساس سے برتر ہونیکا اعتقاد رکہنا اور اخلاقی آزادی کو جو تمام دوسری آزادیوں کی اصل اصول ہی اعتدال [illegible] میں رکہنا - اور اخلاق حمیدہ کو اُنکے حقیقی نام سے یاد کرنا جو امتحان و

ابتلا ہے اور انکی حقیقی غرض کی تجدید کرنا اور وہ یہ ہے کہ نفس کو جسمانی علائق سے بتدریج خلاصی دیجاے - اور زہد و پرہیزگاری کے ساتھ موت کے لیے تیار رہنا اور آخر میں ترقی کے قانون کا اقرار کرنا۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص مذہب اسلام کے ان نصوص پر غور کریگا جنکو ہمنے اوپر نقل کیا ہے اور اس جدید مذہب کے اصول کو انکے ساتھ مقابلہ کریگا اُسکو محقق طور پر معلوم ہوجائیگا کہ اسلام ہی وہ چیز ہے جسکو علما اور حکماء اپنی علمی بحثوں میں نہایت قدیم زمانہ سے اسوقت تک تلاش کر رہے ہیں - اور اُسکو نہایت جرأت اور استعجاب دامنگیر ہوگا کہ نوع انسان ان تمدنی مفسادات اور شورشوں کے درمیان جسقدر بتدریج ترقی کی طرف بڑہتی جاتی ہے اسیقدر اسلامی قواعد کے قریب ہوتی جاتی ہے حالانکہ اُسکے افراد کو اُسکا مطلق علم نہیں ہے - اور اُسکو یقین واثق ہوگا کہ اسلام ہی وہ انتہائی غائیت ہے جو خالق نے نوع انسان کے لیے قرار دی ہے اور اُس میں اُس غائیت تک پہونچنے کی استعداد اور قابلیت ودیعت کی ہے جسکے آثار انسان کی تاریخ میں صاف صاف نظر آتے ہیں اور یہ خداوند تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے " سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق "

اس مقام پر غور و فکر کرنے والونکو وہ راز معلوم ہوسکتا ہے جس سے عربی قوم نے نہایت حیرت انگیز فوری ترقی کرکے خیر الامم کا معزز خطاب حاصل کیا حالانکہ وہ وحشت اور جہالت میں ضرب المثل تھی۔

اب ہم مسلمانونکی موجودہ حالت اور ان تمدنی امراض کی نسبت بحث کرتے ہیں جنہوں نے چند صدیوں سے مسلمانوں کی قوتونکو مضمحل کر رکھا ہے تاکہ ہمکو معلوم ہوجاے کہ وہ کونسے امراض ہیں اور کیونکر اُنکا علاج ہوسکتا ہے - بیشک اس اہم مسئلہ کی نسبت ہم سے پیشتر بہت سے قابل لوگ بحث کرچکے ہیں لیکن ہم نہایت افسوس سے کہتے ہیں

کہ ان میں سے اکثر اشخاص نے نفس مرض سے چشم پوشی کی ہے اور اپنی تمامتر کوششیں صرف اعراض کے معالجہ میں صرف کی ہیں۔ یہ ایک ایسی کوشش ہے جس سے کوئی مفید نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مرض اندرونی طور پر اپنا کام کرتا رہیگا اور اپنی طبعی رفتار سے قوم کے جسم میں سرایت کرتا چلا جائیگا۔ اور بیرونی اعراض کا علاج محض بے سود ثابت ہوگا ہم اس مسلک پر چلنا نہیں چاہتے جس سے اسوقت تک کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ ہم اعراض سے قطع نظر کرکے نفس مرض کو تشخیص کرنا چاہتے ہیں اور جب مرض کی تشخیص ٹھیک ٹھیک ہو گئی تو دوا کا تجویز کرنا نہایت آسان ہو جائیگا۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے تمدن کی بنیاد جزیرہ عرب میں قائم ہوئی اور بہت تھوڑے عرصہ میں اُس کی شاخیں اکثر مشرقی ممالک میں پھیل گئیں۔ اسکا ابتدائی سبب سوائے مذہب اسلام کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ تواریخ اور علوم تمدن کا استقرا کرکے ہر شخص اس امر پر استدلال کرسکتا ہے کہ مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا کے تمدنوں کی نسبت زیادہ سریع السیر اور زیادہ شاندار اور عجیب اور قوی اور اپنے پیروؤں کے ذہن پر سخت اثر ڈالنے والا اور ہر قسم کی تمدنی صلاح و فلاح کا جامع تھا۔

مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ تمام باتیں مجسم ہوکر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ لیکن اگر اسوقت اسلامی قوموں کی موجودہ حالت پر ایک سطحی نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انکی حالت تمام مدارج میں اپنے اسلاف سے بالکل برعکس ہے۔ تنزل اور انحطاط کے اسباب نہایت سرعت کیساتھ اپنا کام کر رہے ہیں اور اُنکو پستی کی طرف لیجا رہے ہیں۔ انکی اہمیت روز بروز صفحہ ہستی سے مٹتی جاتی ہے حالانکہ وہ تمام مختلف عناصر جنسے ہماری قوم مرکب ہے اسوقت تک بدستور اسلام کے مدعی ہیں اور مثل اپنی جان کے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو کیا اسکا باعث یہ ہے جیساکہ زمانہ حال کے بعض علمائے مغرب

کہتے ہیں کہ عموماً تمام مذاہب کی یہی حالت ہی کہ وہ انسان کو ترقی سے روکنے والے
اور انسانی کمالات سے باز رکھنے والے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ عربوں کی وحشت اور
جہالت پر ایک سرسری نظر ڈالنے اور انکے بعد انکی سریع السیر ترقی پر جس کی نظیر
دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی غور کرنے سے اس قول کی تکذیب خود بخود ہو جاتی ہے۔
پس اگر یہ بات نہیں ہی تو کیا ہماری موجودہ حالت ان لوگوں کے قول کے مطابق
ہے جو کہتے ہیں کہ قاعدہ کسی زمانہ میں کسی قوم کو مہذب اور شائستہ بنانے والا اور اُس
کی حالت کو ترقی دینے والا ہو وہ بالضرور ایسے عناصر پر مشتمل ہوتا ہے جو آیندہ
زمانہ میں ترقی کے مانع اور اُس کی ضرورتوں کے منافی ہوتے ہیں؟ ہمارے
نزدیک یہ قول بھی ہرگز صحیح نہیں ہی۔ کیونکہ ہم اپنی اس کتاب میں اسلام کے اہم
اصول کی نسبت نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ غور کر چکے ہیں۔ ہمنے انکو انسانی
زندگی کے قوانین کے بالکل مطابق پایا ہے اور ہمنے برأی العین مشاہدہ کیا ہی
کہ اسلام نے نفسانی ترقی کے لیے کوئی حد نہیں قرار دی بلکہ اُسنے بالکل عام قواعد
بنائے ہیں اور ان تمام قیود کو توڑ ڈالا ہے جو قدیم زمانہ کے مقننوں نے آیندہ
زندگی کے اصول سے ناواقفیت کے باعث لگا رکھی تھیں۔ اور انسانی نفس
کو ان تمام زنجیروں سے نکال کر جن میں وہ جکڑا ہوا تھا حکمت اور اعتدال
کے ساتھ اُسکو آزادی بخشی۔ ہم کسی ایسے زمانہ کا انتظار نہیں کر سکتے جس میں
اعتدال کو مذموم اور افراط اور تفریط کو محمود سمجھا جائیگا۔ پس جبکہ یہ بھی نہیں
ہے تو پھر مسلمانوں کے تنزل کا کیا باعث ہی؟ ہمارے نزدیک اسکا اصلی سبب
صرف یہی ہی کہ ہمنے مذہب کے معنی غلط سمجھے ہیں اور اُسکو دوسرے معنوں پر
محمول کیا ہی اس کی تفصیل حسب ذیل ہی۔
ہم گذشتہ فصلوں میں قرآن مجید کی آیات اور رسول خدا صلعم کی

احادیث اور صدر اسلام کے حالات سے استدلال کرکے ثابت کرچکے ہیں کہ اسلام کی سب سے پہلی غرض یہ ہے کہ وہ دنیا کی ترقی کے عام اصول کے مطابق جو انسانی حالات کے استقرا سے ثابت ہوتا ہے انسان کو مادی اور ادبی ترقی دیتا ہے انسانی نفوس کو پاک کرنے والی چیزوں میں سے کوئی ادنیٰ چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی جس کی طرف اُسنے اشارہ نہ کیا ہو۔ ان تمام امور کی نسبت ہم بہ تفصیل بحث کرچکے ہیں کسی قسم کے شکوک اور شبہات کی مطلق گنجایش باقی نہیں۔ لیکن اگر اسلامی قوم پر نظر ڈالی جاے تو معلوم ہوتا ہے کہ جمہور افراد اسلام سے صرف یہی معنی سمجھتے ہیں کہ وہ محض عبادت کے قواعد اور چند ادعیہ واذکار کا مجموعہ ہے جنکو دنیوی قضاء حاجات اور اخروی حصول درجات کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ کلمہ شہادت، نماز روزہ اور حج زکوۃ پر انکے نزدیک اسلام ختم ہوجاتا ہے مگر اسلام کی دقیق حکمتیں اور اُسکے عظیم الشان فضائل جو درحقیقت اُسکے معجزات ہیں اور جنھوں نے عربی قوم کو گوشۂ خمول اور گمنامی سے نکالکر شہرت اور نام آوری کے اعلیٰ درجہ پر پہونچایا اسنے وہ لوگ بالکل غافل اور بے بہرہ ہیں حالانکہ یہی چیز اسلام کی روح رواں اور صرف یہی غرض اسکے نازل کرنے سے ہے۔

اسلام نفسانی اور جسمانی مطالب میں موافقت پیدا کرتا ہے تاکہ اُسکے پیرو انسان کامل بن سکیں جنکے طبعی مطالب نقطہ اعتدال پر قائم ہوں اور انکی رغبتوں میں موافقت ہو۔ خدا فرماتا ہے "وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیرا للذین احسنوا فی ہذہ الدنیا حسنۃ ولدار الآخرۃ خیر ولنعم دار المتقین" رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تم میں بہتر وہ شخص ہے جو نہ اپنی آخرت کی وجہ سے دنیا کو چھوڑے اور دنیا کی وجہ سے آخرت کو چھوڑے بلکہ اس کو بھی لے اور اسکو بھی" لیکن ہماری قوم کے ایک بڑے گروہ نے اس حکمت

بالغہ پر غور کرنے سے اعراض کیا ہے۔ مذہب کے سمجھنے میں اُسنے گذشتہ قوموں کی پیروی کی ہے اور خیال کیا ہے کہ وہ محض عبادت اور عادت کی پیروی ہے۔ اس بارہ میں ان کے ایسے خیال ہیں جن کی خدا نے کوئی سند نہیں بیان کی خداوند تعالےٰ فرماتا ہے ولاتنس نصیبک من الدنیا اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے "ان من فقه الرجل استصلاح معیشته ولیس من حب الدنیا طلب ما یصلحك" مگر لوگ اسلام کے ان اصلی قواعد کو بھول گئے اور اپنی طرف سے یہ خیال خام پختہ کر لیا کہ تمام دنیوی تعلقات سے آزاد ہونے اور تمام جسمانی خواہشوں کو ترک کر دینے کا نام مذہب ہے اور اُنہوں نے ایسا ہی کیا مگر اُنکو یہ بات معلوم نہیں کہ یہی وہ مہلک طاعون ہے جو گذشتہ قوموں کو برباد اور قدیم زمانہ کے مذہبی فرقوں کا استیصال کر چکی ہے اور یہ باتیں اُنکو کیونکر معلوم ہو سکتی ہیں جبکہ وہ اپنے زاویہ خمول سے باہر نکلنا گناہ سمجھتے ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت سے غافل ہیں۔

"افلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها او اذان یسمعون بها. فانها لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور"	"یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں (چلتے پھرتے) تو انکے ایسے دل ہوتے کہ انکے ذریعے سے (انجام کار کو) سمجھتے اور (انکے) ایسے کان (ہوتے) کہ اُنکے ذریعے سے (نصیحت کی بات) سنتے بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں"

مذہب کے معنوں میں غلط فہمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تقوےٰ کے معنی اُس اعتبار سے جو رسول خدا صلعم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں سمجھے جاتے تھے بالکل بدل گئے۔ آجکل کی اصطلاح کے مطابق متقی سے مراد وہ شخص ہے جو محنت اور کوشش اور تمام دنیوی کاروبار کو ترک کر کے آرام کے ساتھ گوشۂ خمول و گمنامی میں بیٹھ گیا ہو

دنیا کی کوئی اُمید اُسکے دل میں باقی نہ رہی ہو گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے حالات سے محض جاہل اور بالکل ناواقف ہو، اور جو ہر وقت گردن ڈہلکائے ہوئے بیٹھا رہتا ہو اگر کوئی کام اُسکے سپرد کیا جائے تو اُسکو خراب کردے۔ اکثر مسلمانوں کے نزدیک ایک متقی آدمی کی اہم صفات یہی ہیں۔ اور یہ صفات جیسا کہ غور کرنیوالوں کو معلوم ہی ہمارے سلف صالحین کی صفات اور حالات سے قطعاً مغایر اور یکسر منافی ہیں۔

تاریخ سے بطور تواتر کے ثابت ہوچکا ہے اور ہر شخص کو معلوم ہی کہ رسول خدا صلعم اور آپکے صحابہ کرام جو اتقا اور پرہیزگاری اور دینی کمال کے نمونے تھے نہایت اُلوالعزم، باہمت، محنت اور کوشش کرنے والے قوم کی عزت اور عظمت کی بنیاد ڈالنے والے، اُسکو رفعت اور برتری کے آسمان پر لیجانے والے تھے۔ اُنہوں نے حق کی تائید اور باطل اور گمراہی کی بیخ کنی میں جسقدر سرتوڑ کوششیں کی ہیں اُنکے حالات تواریخ وسیر کی کتابوں سے معلوم ہوسکتے ہیں یہ وہ اصلی تقوی ہے جسکو اسلام نے پیرووں کے لیے مقرر کیا ہی لیکن اگر آجکل کے اتقا کو اسلامی اتقا کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ سراسر فسق وفجور اور قطعی حرام ہی۔

اتقا کے معنوں میں غلط فہمی سے (جس میں ہم بوجہ اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے مبتلا ہوگئے ہیں) ہم مسلمانوں کو دو قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ ایک قسم کا نام ہمنے اہل دنیا رکھا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو قوم اور ملک کو اپنی دستکاریوں یا علمی بحثوں سے فائدہ پہونچاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا نام ہمنے اہل آخرت رکھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا اور اُسکے کاروبار کو ترک کرکے نماز روزہ نوافل اور چلوں اور عرسوں میں اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہی۔ چند صدیوں سے اس وہمی تقسیم کی بیخ وبنیاد تمام دنیاے اسلام میں مستحکم ہوگئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اہل دنیا شمار کیے جاتے ہیں اُنہوں نے اپنے کو صرف ان علوم وفنون کے حاصل

کرنے میں وقف کر رکھا ہے جن پر مادی سعادت و فلاح کا انحصار ہے اور اہل آخرت صرف علوم عبادت و طہارت میں مصروف ہیں۔ پس پہلا گروہ مذہبی اعتبار سے جاہل محض ہے جسکو مذہب کی نسبت طرح طرح کے شکوک اور شبہات پیدا ہوتے ہیں اور دوسرا گروہ دنیوی معاملات سے اسقدر بے بہرہ ہے کہ اُسکو وسائل کسب معیشت سے بالکل واقفیت نہیں ہے اور اسیلیے وہ سخت افلاس اور تنگدستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر دستِ سوال دراز کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے اگرچہ کسی خوبصورتی کے ساتھ ہو۔

دین و دنیا کی تفریق تمام وجوہ سے اسلامی اصول کے بالکل منافی اور اُسکے احکام کے برخلاف بلکہ اُن میں سے اکثر کو معطل کرنیوالی ہے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مذہب اسلام ایسا عام مذہب ہے جو نفسانی اور لفسانی مطالب میں ایسی موافقت پیدا کرتا ہے جو ان لوگونکے لیے نہایت ضروری اور لابدی ہے جو حکمت اور اعتدال کے مرکز پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں۔ ہم قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ دنیا و ما فیہا کو ترک کر کے عبادت میں منہمک ہو جانا اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے۔ (من تبتل فلیس منّا) اور دنیا و آخرت دونوں کی صلاح و فلاح کا خواستگار ہے۔

”ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الآخرۃ حسنۃ“	”اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں خیر و برکت دے اور آخرت میں خیر و برکت دے“
”وعد اللہ الذین آمنو منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم“	”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں اُنسے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن اُنکو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کریگا جیسے ان لوگونکو خلافت عنایت کی جو اُنسے پہلے گذرے ہیں“

اور ہم مدلل طور پر ثابت کر چکے ہیں کہ وہ محنت اور کوشش اور کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور کاہلی اور سستی سے باز رکھتا ہے۔ اُس کی یہ ترغیب و ترہیب ایسی عبارات میں کی گئی ہے جو زمانہ حال کے اقوال سے زیادہ تر موثر ہیں۔ اور یہ کہ اسلام کے نزدیک تمام کاموں کا انحصار کرنے والی کی نیت پر ہے اگر کوئی شخص تمام محرمات کو ترک کر دے مگر اُس کی صرف یہ غرض ہو کہ لوگ اُسکو نیک آدمی سمجھیں اسلام میں ایسا آدمی منافق شمار کیا جاویگا اور گناہگار ہو گا لیکن اگر کسی شخص کی نیت درست ہو اور اُس سے غلطی ہو جاوے تاہم اُسکو ثواب ملیگا۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ "تمام اعمال نیتوں پر منحصر ہیں"، حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص تمام دنیا اور اُس کی تمام دولت جمع کر لے مگر اُسکو صرف خدا کی رضامندی مقصود ہو تو وہ زاہد ہے لیکن جو شخص دنیا و مافیہا کو ترک کر دے مگر خدا کی رضامندی مقصود نہو تو ایسا شخص زاہد نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں ہم گزشتہ فصلوں میں بیان کر چکے ہیں اور اُنکو ایسی قطعی دلایل سے ثابت کر چکے ہیں جنپر کسی قسم کا کوئی نقص وارد نہیں ہو سکتا اور ہم اپنے ناظرین کے افکار کو اسلام کے ابتدائی گروہ کے حالات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد دو قسموں پر منقسم نہیں تھے یعنی دینی اور دنیوی۔ بلکہ جیسا کہ تواریخ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ کے تمام افراد دینی اور دنیوی کاروبار ایک ہی ساتھ انجام دیتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے اور یہ پیشہ انہوں نے اُسوقت ترک کیا تھا جبکہ اورنگ خلافت پر جلوس فرمایا تھا امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے کہ اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وسلم برّی اور بحری تجارت کرتے تھے اور اپنے باغوں میں کاروبار انجام دیتے تھے۔ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا ایک دوست مسجد میں اُنسے ملا۔ آپنے اُس سے کہا کہ "اگر میں تجھکو تلاش معاش میں دیکھوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تجھکو مسجد کے گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھوں۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

فرمایا کرتے تھے کہ "مجھکو اُس مقام سے جہاں میں اپنے اہل و عیال کے لیے خرید و فروخت کرتا ہوں کوئی مقام زیادہ محبوب نہیں"۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ رسول خدا صلعم جسطرح انکو اُخروی کاموں میں ترغیب دیتے تھے اسی طرح دنیوی کاروبار کی ترغیب دیتے تھے آپ اُسنے فرماتے تھے۔ دنیوی کاروبار اس طرحپر کرو گویا کہ تم ہمیشہ زندہ رہوگے اور اُخروی کام اسطرحپر کرو کہ گویا تم کل ہی مرجاؤگے" کھیتی[1] کرو کیونکہ اس میں بڑی برکت ہے"، "زمین[2] کے اندر سے رزق تلاش کرو"، "رزق[3] کا ۹/۱۰ حصہ تجارت میں ہے"، "عبادت[4] کے دس حصے ہیں جن میں نو حصے طلب حلال ہے"، "جبکہ قیامت قائم ہوجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو تو اُسکو بو دینا چاہیئے"!

غرضکہ مذہب اسلام کے نصوص اور عہد نبوت کے مسلمانوں کے حالات یہی ہیں جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ ان دونوں سے دنیا و آخرت کی تفریق معلوم نہیں ہوتی۔ اور یہی نصوص ہیں جنکی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو دینی اور دنیوی گروہوں میں منقسم ہونے سے محفوظ رکھا اس تفریق سے قوم کے خیالات میں تخالف اور اغراض میں تناقض پیدا ہوتا ہے جس سے افراد قوم میں باہمی بغض و حسد، نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور محبت اور الفت کے روابط کو مستحکم کرنے والے وسائل محض بیکار اور بے اثر ہوجاتے ہیں۔ اور ایک عرصہ گذرنے کے بعد یہانتک نوبت پہونچتی ہے کہ ان دونوں قسموں میں سخت

---

[1] اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی مراسیل علی بن الحسین سے روایت کیا ہے۔

[2] یہ حدیث ضعیف ہے اسکو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

[3] ص۔ عن ابی نعیم بن عبدالرحمن قال السیوطی ہذا حدیث حسن۔

[4] ادب المفرد۔ امام بخاری۔

تلاطم پیدا ہوتا ہے، اور تمام افراد قوم کے خیالات بالکل پراگندہ اور منتشر ہوجاتے ہیں اور قوم کا شیرازۂ جمعیت جو افراد کو باہم مربوط کرتا ہے ٹوٹ جاتا ہے۔ اسکے بعد انکو اپنی آنے والی تباہی اور بربادی کا احساس شروع ہوتا ہے۔ اسوقت یہ دونوں گروہ ایک دوسرے پر الزام لگاتے اور ملامت کرتے ہیں اہل آخرت کہتے ہیں کہ یہ تباہی اور بربادی اہل دنیا کی بدکاری اور ناہنجاری سے قوم پر طاری ہوئی ہے اور دنیا دار کہتے ہیں کہ اہل آخرت نے اپنا فرض منصبی ادا نہیں کیا اور قوم کے ارشاد تلقین میں کوتاہی کی جس سے قوم کو یہ روزِ بد دیکھنا نصیب ہوا۔ اسی طرح یہ دونوں گروہ باہم لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہتے ہیں مگر اندرونی مرض قوم کے جسم میں اپنا کام کرتا رہتا اور بڑہتا چلا جاتا ہے اور آخر کار قوم کو تباہ و برباد کردیتا اور صفحہ ہستی سے اُسکا نام و نشان مٹا دیتا ہے۔

بعینہ یہی حالت اسوقت ہماری قوم کی ہے۔ کیونکہ اُسپر ایسے حادثات طاری ہوئے ہیں جنسے اُسکا شیرازۂ وحدت بکھر گیا ہے اور مثل گذشتہ قوموں کے دینی اور دنیوی گروہوں میں تفریق پیدا ہوگئی ہے اور اسوقت یہ دونوں فریق باہم لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں شاید موجودہ نسل کو قومی عظمت کو از سرِ نو تازہ کرنے کی غرض سے اسلامی فضائل کی ضرورت کا سب سے زیادہ احساس ہوا ہے۔ یہ لوگ علما پر سخت الزام عائد کرتے ہیں کہ اُنھوں نے موجودہ ضرورتوں کے مطابق قوم کی رہنمائی میں کوتاہی کی ہے بیشک اسوقت اسلامی کمالات کے معلوم کرنے کی طرف عام طور پر رغبت دیکھی جاتی ہے تاکہ موجودہ اخلاقی فساد دور ہو جو تمام قوم کو محیط ہے اور جس نے جدید نسل سے شریفانہ احساس مفقود کرکے بدکاریوں اور ناہنجاریوں میں اُسکو مبتلا کردیا ہے۔ بیشک ہمارے سامنے ایسے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہورہے ہیں مگر ہم اپنے ناظرین سے صرف اسقدر کہنے کی

اجازت چاہتے ہیں کہ اس رغبت کی اسوقت تک تمام ضروری شرائط پوری نہیں ہوئی ہیں۔ گویا کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آسمان سے ان اسلامی فضائل کی بارش برس جائے اور ادنیٰ اور اعلیٰ تمام مسلمانونکو نہال اور مالا مال کردے اور وہ اپنے بچھونوں پر آرام سے بیٹھے رہیں۔ اور جن وسائل سے ایسی باتیں ممکن الحصول ہیں اُنکے قریب بھی نہ جائیں۔ یا یہ چاہتے ہیں کہ یہ فضائل صرف ایسے لوگونکے ذریعے سے معلوم ہوں جو ایک خاص قسم کا لباس پہنتے اور خاص خاص کتابیں پڑھتے ہیں۔

یہ خیالات ہرگز صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسا خیال کرنا عقل کی حق تلفی ہے اگر ہم ایسا خیال کریں تو ہم مثل اُن کاہلوں اور احدیوں کے ہونگے جو چاہتے ہیں کہ تمام ضروری چیزیں انکو گھر بیٹھے ملجایا کریں۔ اسلامی فضائل جنکو جنگلی بدو بہت تھوڑے عرصہ میں سمجھ لیتے تھے ایک مہذب قوم کی نسل کو انکا سمجھنا ہرگز دشوار نہیں ہوسکتا۔

اسلامی اصول کو انسانی عقول میں راسخ کرنے کے لیے مباحثہ اور مجادلہ یا تمہیدی مقدمات کی مطلق ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ نہایت صاف اور واضح اور بالکل سیدھے سادے ہیں اور انسانی نفس کو اُنپر ایسا سکون اور اطمینان حاصل ہوجاتا ہے جسکی کسی طرح پر تعبیر نہیں ہوسکتی۔ پس اگر کوئی شخص حقائق کائنات کا عالم ہے اور وہ اس اطمینان کے راز کی تعبیر کرنا چاہتا ہے جو اُسکے دل کو حاصل ہوا ہے تو اُسکو آفرینش کے اسرار اور انسانی زندگی کی تکالیف اور دنیا کے قوانین فطرت اور نیز اُس غرض وغایت پر غور کرنا چاہیئے جسکے لیے انسان بے اختیاری طور پر کوشش کررہا ہے۔ تاکہ اُسکو عیانی طور پر معلوم ہوجاے کہ اسلامی اصول باوجود سہل اور صاف اور روشن ہونے کے انسان کو مادی اور روحانی سعادت اور دنیوی و اخروی راحت تک پہنچانے کا اکیلا ذریعہ ہے۔ اور یہی وہ شاہراہ ہے جسکو انسان بمقتضاے اپنی فطرت تلاش کررہا ہے اور جسکو اس زمانہ کے علماء دور سے دیکھ رہے ہیں اور اُسکے قریب

پہونچنے میں جو مشکلات سدِ راہ ہیں اُنکو دور کر رہے ہیں۔

اگر سہولت اور استحکام کے لحاظ سے اسلامی اصول کی یہی حالت ہی تو ہم کیوں اُنکے مفقود ہو جانے پر گریہ وزاری کرتے اور اپنے علما اور ہادیوں کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ اُنکے ظاہر کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ وہ اصول قرآن مجید اور احادیث شریف اور سلف صالحین کی کتابوں میں نہایت صاف اور صریح عبارتوں میں بیان کیے گئے ہیں؟ کیا مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا نے قرآن مجید صرف اسلیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کا ایک خاص گروہ اُسکو سمجھے۔ یا بے سمجھے بوجھے وہ قبروں پر پڑہا جاوے۔ یا خوشی کے موقع پر بطور راگ کے گایا جاوے؟ یا یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول خدا صلعم کی حدیثیں صرف قضاے حاجات اور حصول برکات کے لیے پڑہی جائیں؟ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اور اس قسم کی تمام باتیں اسلام کے بالکل منافی اور خدا کی ناراضی کا باعث ہیں۔

قرآن مجید جو مجموعہ مواعظ و حکم ہے اور احادیث شریف جو قوانین شائستگی کا خلاصہ ہے انکی تدوین اور اشاعت قوم میں صرف اس غرض سے ہوئی ہی کہ لوگ ان حکمتوں پر غور کریں اور انپر عمل کریں۔ کیونکہ یہ دینی اور دنیوی سعادت و فلاح کے حاصل کرنیکا ذریعہ ہے مسلمانوں کی تاریخ ہمارے اس قول کی قطعی دلیل ہی۔ ہمکو اسلامی کمالات کے ضرورت کا احساس ہوا ہے پس کیا وجہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دہرے ہوے ہیں اور بقدر اپنی استطاعت کے کوشش نہیں کرتے۔

کیا ہم مثل اُن احدیوں کے نہیں ہیں جنکے سامنے غذا موجود ہی اور وہ بھوک سے نہایت بیقرار ہیں مگر وہ اس امر کا انتظار کر رہے ہیں کہ کھانا خود بخود اُڑ کر اُنکے مُنہہ میں آ جاوے اور اُنکو ہاتھ بڑہانے کی تکلیف نہ کرنا پڑے؟ کیا شرم کی بات نہیں کہ ہم اپنے تمام اوقات کو امیل[1] زولا اور رینالڈ[2] کے ناولوں میں برباد کرتے ہیں

[1] فرانس کا نہایت مشہور اور نامور ناولسٹ ہی جسنے ابھی حال میں انتقال کیا ہی۔

[2] انگلستان کا مشہور ناول نگار ہی۔

مگر ہم اس عظیم الشان کتاب کے مطالعہ میں پانچ منٹ بھی صرف کرنا گوارا نہیں کرتے جس میں تمام کائنات کے اسرار بیان کیے گئے ہیں۔

ہم تہذیب اور شائستگی اور روشن خیالی کے مدعی ہیں اور دنیا کے عجائبات کا انکشاف کرنے میں ہم شائستہ لوگوں کی تقلید کرتے ہیں اور ہماری قوم کے جو لوگ چپ چاپ بیٹھے ہیں اُنپر کاہلی اور مُردہ دلی کا الزام لگاتے ہیں۔ ہم اسپنسر کی تمدنی تھیوریوں اور گیمبٹا کے سیاسی مسائل کو نہایت تعجب کیساتھ دیکھتے اور سر ہلاتے ہیں لیکن ہم اس عظیم الشان کتاب کی طرف نظر نہیں کرتے جس کی عجیب و غریب حکمتوں کے دریافت کرنے میں اگر علما اپنی تمام عمریں صرف کردیں تو انکا عشر عشیر بھی دریافت نہ کرسکیں۔ ہم دوسروں کی تقلید کرکے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں شرم کرتے ہیں اس خوف سے کہ ہمکو ناقص العقل کہا جائیگا۔ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو یہ بالکل اندھادھند تقلید ہے اگر ہم اپنی آسمانی کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالتے تو ہمکو اس تقلید کی ضرورت نہ پڑتی اور اور ہمکو معلوم ہوجاتا کہ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو گوشہ نشینی اور گمنامی یا تعصب مذہبی یا ذلت وخواری یا ناقابل برداشت عبادات اور ریاضات کا حکم دیتا ہو جو موجودہ اور آیندہ تمدن کے منافی ہیں بلکہ وہ ایک ایسا مذہب ہے جو محنت اور کوشش اور کام کرنے کے لیے انسان کو آمادہ کرتا ہے اور علو ہمتی اور الوالعزمی کیساتھ عزت اور عظمت اور رفعت حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اُس کی یہ تمام باتیں ایسی حکمتوں پر مشتمل ہیں جنکے مقابلہ میں علما کی حکمتیں ایسی ہیں جیسی آفتاب کے مقابلہ میں چراغ کی روشنی پس ایسی حالت میں جو شخص اسلام کی نسبت گفتگو کریگا وہ ایسے خیالات کا دُہرانے والا ثابت نہوگا جن کی تکذیب موجودہ زمانہ کے شواہد سے ہوچکی ہے بلکہ وہ ایسی حکمتوں کا بیان کرنیوالا سمجھا جائیگا جنکے سامنے باطل نہیں ٹھہرسکتا۔ اور ایسے مسائل بیان کریگا جن کی تصدیق میں عالم ممکنات زبان حال سے چلا رہا ہے۔

ایسے قواعد ذکر کریگا جنمیں کسیوقت بھی خلل اور فتور نہیں آسکتا - ایسے اصول ظاہر کریگا جنپر ہرقسم کی تہذیب اور شائستگی کا انحصار ہی اور لوگونکو ایسی روشنی دکھلادیگا جو دلوں میں سرایت کرکے ایسا آفتاب روشن کرتی ہی جس کی روشنی کبھی خاموش نہیں ہوسکتی - اور نیز انسانی نفوس کو اوہام اور خرافات کے شیاطین سے پاک صاف کریگا اور اُنکو تسلی اور اطمینان دیگا اور عالم ملکوت تک پہونچنے کی صلاحیت اُنمیں پیدا کریگا -

اسلام سے پیشتر عربونکی جہالت اور وحشت کی جو ناگوار حالت تھی اُسپر غور کرو اور اُسکے بعد دیکھو کہ اسلام کے ذریعے سے کسقدر عظیم الشان اور فوری تغیر اُن کی حالت میں واقع ہوا - زمانہ جاہلیت میں انکی یہ حالت تھی کہ ایک عرب اپنی لڑکی کو جنگل میں لیجاتا تھا اور وہ اسکے ساتھ ساتھ چلی جاتی تھی اور اُسکے واسطے گڑھا کھودتا تھا اور وہ اپنے بیرحم باپ کی طرف محبت کی نظر سے دیکھتے جاتے تھے مگر اس ظالم کو مطلق رحم نہیں آتا تھا اور اُسکو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کرکے خوش بخوش اپنے گھر کو واپس چلا آتا تھا گویا کہ ایک ایسا کام کیا ہے جو اُس کی نیکنامی کا باعث ہے - ان قسیّ القلب عربونکو دیکھو جن میں رحم کا نام و نشان ہی نہیں اور پھر اسلام قبول کرنے کے بعد انکی حالت پر غور کرو - تم کو ایسے لوگ نظر آئینگے جنکے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ ان لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں جنہوں نے علم و حکمت کے گھرانے میں پرورش پائی ہے - تمکو عظمت اور شہامت فضائل اور کمالات کے ایسے نمونے نظر آئینگے جو اپنے نمونے سے حکمائے اخلاق کو انکی تالیفات کے عیوب اور نقائص سے آگاہ کرتے ہیں - تمکو ایسے اشخاص نظر آئینگے جو بلحاظ پرہیزگاری اور وقار کے فرشتوں سے اور بلحاظ ہمت اور اقتدار کے کسریٰ و قیصر سے فائق ہیں عمر بن الخطاب کی حالت پر غور کرو - انکی زمانہ جاہلیت کی تاریخ غالباً تمکو معلوم ہوگی اسلام قبول کرنے کے بعد چند سال میں انکی حالت کیسی ہوگئی ؟ انکی حکمت اور اُسکی سیاست

اور استقلال کی بدولت اسلام اور مسلمانوں کو ایسی بڑی عزت حاصل ہوئی جو ایسے بڑے شہنشاہ سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی جسنے شاہی خاندان میں تربیت پائی ہو اور نہ ایسے حکیم سے ممکن ہے جسنے حکمت اور سیاست کی آغوش میں پرورش پائی ہو۔ ان کی پرہیزگاری اور رقیق القلبی اس درجہ کو پہونچ گئی تھی کہ بعض اوقات کلام مجید کی ایک آیت سنکر بیہوش ہوجاتے تھے یا بعض اوقات اُس کی وجہ سے کئی کئی دن تک بیمار رہتے تھے گویا متنبی نے یہ شعر انہیں کی تعریف میں لکہا ہے۔ ؎

فتنا فالاسد تفزع من قواہ   ورق فنحن نفزع ان یذوبا

یہ باتیں انکو کہاں سے اور کیونکر حاصل ہوئیں؟ کیا اُنہوں نے علوم اخلاق کی تعلیم کسی یونیورسٹی کالج میں پائی تھی؟ یا تمدنی اور سیاسی علوم علمی جلسوں اور پارلیمنٹ کی سبز بنچوں پر سیکھتے تھے؟ یا اُنہوں نے قوانین کی تعلیم کسی قانونی کالج میں حاصل کی تہی؟ ان میں سے کوئی بات بہی نہیں ہے۔ بلکہ انکی تعلیم کا ذریعہ صرف ایک ہی اور وہ یہ ہی کہ آپ قرآن مجید اور احادیث شریف کو غور کے ساتھ پڑہتے تھے اور جن امور کے سمجھنے میں انکو دشواری پیش آتی تہی انکی نسبت دوسروں سے سوال کرتے تہے۔

ہمنے بطور مثال صرف ایک شخص کو پیش کیا ہے تاکہ تمکو معلوم ہوجاے کہ مذہب اسلام کو طبیعت کے بدلنے، فوری تاثیر ڈالنے اور اپنے پیرووں کے خیالات کو روشن کرنے میں کیسا زبردست اقتدار حاصل ہے پس کیا وجہ ہے کہ ہمنے ان بیش بہا خزانوں کو پس پشت ڈال رکہا ہے اور اخلاق و حکمت کے سیکہنے کے لیے ادہر اُدہر مارے مارے پہرتے ہیں اور ناکام ہونیکے بعد اسکا الزام ہم دوسرے فریق کی ذمہ تہوپتے ہیں

الحاصل مسلمانوں کے موجودہ مرض کی دوا صرف ایک ہے اور وہ یہ ہی کہ اسلام کے معنوں کو ٹہیک ٹہیک سمجہیں اور یقین کریں کہ سب سے اول غرض یہ ہی کہ انسان

کی مادی اور ادبی دونوں حالتونکو ترقی دیتا ہے کیونکہ ان دونوں میں پورا ارتباط ہے۔
انکو غور کرنا چاہیے کہ اسلام میں عبادت سے مقصود بدنی عبادت مثلاً رکوع و سجود ہی نہیں
ہے بلکہ وہ تمام کام جو انسان عبادت سمجھکر اپنی ذات یا خاندان یا قوم یا تمام
کائنات کی بہبودی کے لیے انجام دیتا ہے شامل ہیں وہ افضل ترین عبادت ہیں اصل
ہیں مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ علوم صناعات اور تجارت و اشاعت کی ترقی کا
مانع نہیں بلکہ انہیں باتوں کی ترغیب دیتا ہے اور اسلئے بار بار انکو ملامت
کرتا ہے یہی اسلامی اصول ہیں جنکی تعلیم پاک آیتوں اور بہت سی حدیثوں
اور زمانہ نبوت کے مسلمانوں کے حالات سے ہوتی ہے اور ان تمام اصول کو ایک
روشن خیال معلم صرف ایک سبق کے اندر اپنے شاگردوں کے ذہن نشین کرسکتا ہے
یہی وہ دوا ہے جو مسلمانوں کے مرض کے لیے تیر بہدف ثابت ہوگی لیکن
اس دوا کے عام مسلمانوں تک پہونچنے میں جو مطالعہ سے محروم ہیں بہت سی
مشکلات حائل ہیں جنکا دفعیہ ایک مدت کے بعد ہوگا۔
اس کتاب کے خاتمہ پر ہم خدا کی جناب میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو صراط
مستقیم کی ہدایت کرے اور اپنے رسول کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے
اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین یارب العالمین وصلے اللہ علی سیدنا
محمد عبدہ و رسولہ وعلی آلہ وصحبہ
متبعیہ وسلم تسلیما
کثیراً کثیرا

تمت ــــــــــــ تمام شد

بقلم خاکسار رشید احمد انصاری مدرسۃ العلوم علی گڈھ۔ بحکم
نواب محسن الملک بہادر ــــ مورخہ ۴ مئی ۱۹۰۳